قانون شریعت حصہ اول و دوم } مؤلفہ جناب مولانا شمس الدین احمد صاحب جعفری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ترتیب ۱۹۷ اور ۱۷۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت جلد اول عہ جلد دوم ۶ر پتہ :- ننھے میاں عالم گنج، جونپور،

اردو میں فقہی مسائل پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بہشتی زیور، مولانا عبد الشکور صاحب کی علم الفقہ اور متعدد مستند اور مفید کتابیں موجود ہیں، مصنف نے یہ نئی کتاب لکھی ہے، اس کی پہلی جلد میں عقائد، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور قربانی، اور دوسری جلد میں حج، نکاح، طلاق، بیع و شراء اور دوسرے معاملات و اخلاق کے مسائل ہیں، اس طرح یہ کتاب ضروری مسائل پر حاوی ہے، یہ مسائل زیادہ تر فقہ کی معتبر و مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں لیکن بعض نام غیر مانوس بھی نظر آتے ہیں، عقائد میں غیر ضروری باتیں بھی لکھی ہیں، یہ زمانہ عجوبہ پرستی اور عقائد کے طومار کا نہیں ہے، اس سے فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے، آجکل بنیادی اور ضروری عقائد کی تعلیم کافی ہے۔

حیرت زار - مرتبہ پروفیسر سید عطاء الرحمن صاحب عطاؔ کاکوی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۸۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ ۱۲ر، پتہ :- ایوان اردو، پٹنہ نمبر ۴

مرزا عبد القادر بیدل فارسی کے ان صاحب طرز شعراء میں ہیں جو ایک خاص رنگ کے موجد بھی تھے، اور خاتم بھی ان کا کلام بڑا عارفانہ و حکیمانہ اور تخیل، ندرت و نزاکت کے لحاظ سے بڑا دلکش ہوتا ہے، مگر دقت آفرینی نے اس کو نہایت عسیر الفہم بنا دیا ہے، لیکن خیالات اور طرز ادا دونوں کے لحاظ سے اس میں اتنی ندرت و رفعت ہے کہ غالب اور اقبال جیسے شعراء نے اس کی تقلید اور اس سے استفادہ کیا ہے، حیرت زار ان کے کلام کا انتخاب ہے، اس میں مختلف اصناف کا بڑے سلیقہ اور حسن مذاق سے انتخاب کیا گیا ہے، جس سے بیدل کی خصوصیات کا اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب کے شروع میں بیدل کے حالات کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی، نیاز فتحپوری اور ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے تاثرات ہیں جن سے بیدل کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

"م"

جلد ۷۸ ماہ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۵۶ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۲۴۲-۲۴۴

مقالات

مسلمانوں کا علم ہندسہ اور اسکا اجمالی تعارف	جناب شبیر احمد خانصاحب غوری ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی رجسٹرار امتحانات عربی وفارسی صوبہ متحدہ	۲۴۵-۲۶۱
اسلامی قانون اجرت کا ایک باب	جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۲۶۲-۲۷۵
عربی شاعری میں مولانا جامی کا حصہ	جناب غلام مرتضیٰ صاحب لکچرار شعبۂ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی	۲۷۶-۲۹۵
شاہان طہماسپ کی ادبی سرگرمیاں	جناب ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم صاحب ڈار لکچرار شعبۂ فارسی و اسلامک کلچر، اسمٰعیل یوسف کالج، بمبئی	۲۹۶-۳۰۸

تلخیص وتبصرہ

نہر سویز	جناب محمد نظام صاحب عثمانی بی اس سی ایل ایل بی عثمانیہ	۳۰۹-۳۱۴

ادبیات

غزل	جناب حبیب احمد صاحب صدیقی سکریٹری یوپی گورنمنٹ	۳۱۵
وادی الفت	جناب نکہت شاہجہانپوری ایم، اے صدر شعبۂ فارسی و اردو جی ایف کالج شاہجہانپور	۳۱۶
مطبوعات جدیدہ	"م"	۳۱۷-۳۲۰

شذرات

آہ مولانا عبدالسلام ندوی

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدر تو نشناخت دریغ

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کا غم ابھی بھولا نہ تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی یاد ابھی بالکل تازہ تھی کہ ایک اور قدیم اور اہم علمی یادگار مٹ گئی، اور مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے ۳ر اور ۴ر اکتوبر کی درمیانی شب کو دفعۃً انتقال کیا، دارالمصنفین کی پرانی بزم علمی کی یہی ایک شمع رہ گئی تھی جس سے اس دور کی یاد قائم تھی، افسوس کہ وہ بھی گل ہو گئی، مرحوم مولانا شبلی کے شاگرد رشید، دارالمصنفین کے پرانے رکن رکین اور اس کے علمی کاموں میں حضرت الاستاذؒ کے دست راست تھے، ایک زمانہ میں دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا تھا، وہ دارالمصنفین کے قیام کے ساتھ ہی اس سے وابستہ ہو گئے تھے اور مرکر اس سے جدا ہوئے۔

وہ فطری مصنف و اہل قلم اور ادیب و انشاء پرواز تھے، ان کی اس استعداد کا اعتراف مولانا شبلیؒ کو ان کی طالب علمی کے زمانہ سے تھا، اور انھوں نے ان کے ایک کامیاب مصنف بننے کی پیشین گوئی کی تھی، یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، اور ہندوستان کے نامور مصنفین میں ان کا شمار ہوا، ان کی تصانیف نے دوسروں کو مصنف اور ادیب و انشاء پرداز بنا دیا، اور ملک کا علمی مذاق بنانے میں ان کا بھی حصہ ہے، انکی قوت اخذ بڑی تیز تھی، سرسری مطالعہ سے کتابوں کا جوہر کھینچ لیتے تھے قلم برداشتہ لکھتے تھے اور نظر ثانی اور حک و اصلاح کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی، ان کا مسودہ اولیٰ ہی مبیضہ ہوتا تھا، قلم کی یہ پختگی کم مصنفین کو نصیب ہوتی ہے، علامہ شبلیؒ کی زندگی ہی میں الندوہ کے سب اڈیٹر اور اس کے بعد اڈیٹر ہو گئے تھے پھر الہلال میں مولانا ابوالکلام کے شریک کار رہے، دارالمصنفین کے قیام کے بعد ۱۹۱۴ء میں یہاں چلے آئے اور آخر عمر تک اس سے وابستہ رہے۔

اپنی بہت سی خصوصیات میں وہ اس زمانہ میں یگانہ تھے، نہایت معصوم اور بےنفس انسان تھے، وہ ایک مشہور مصنف اور نامور اہل قلم تھے، مگر اس حیثیت کا احساس تک ان کو نہ تھا، اور علم کے پندار اور شہرت و نام و نمود کی طلب کا تصور بھی ان کے دماغ میں نہ آتا تھا، پوری زندگی قناعت اور شان استغنا کے ساتھ ایک گوشہ میں گذار دی، تحمل و بردباری کا پیکر تھے، ناگوار سے ناگوار باتیں سنکر پی جاتے تھے اور چہرہ پر شکن تک نہ پڑتی تھی، حقوق العباد سے ان کا دامن اتنا پاک تھا اور معاملات کے اس قدر صاف تھے کہ کسی کا کوئی حق ان کے ذمہ نہ تھا، اور ان کے حقوق بہتوں کے ذمہ نکلیں گے، وہ اپنی حق تلفی پر بھی چشم پوشی سے کام لیتے تھے، ان کی ذات سے کسی کو ادنیٰ تکلیف بھی کبھی نہیں پہنچی، اور وہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کا عملی نمونہ تھے، اس قدر سادہ مزاج اور بے تکلف تھے کہ چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ ہر شخص سے ایک طرح سے ملتے تھے، اور ادنیٰ ملازمین تک ان سے بے تکلف تھے، ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا، نفاق کے نام سے ناآشنا تھے، باتیں ایسی معصوم اور بھولی کرتے تھے کہ ناواقف آدمی ان کو بمشکل پڑھا لکھا تصور کر سکتا تھا، جو لوگ ان کی تصانیف کے ذریعہ ان کو جانتے تھے وہ ان سے ملنے کے بعد ان کے مصنف ہونے کا یقین نہیں کر سکتے تھے، انکی زندگی کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل کا عملی نمونہ تھی، ناگزیر ضروریات زندگی کے علاوہ تعیش اور نمائش کا کوئی سامان کبھی نہیں رکھا، ان کا پورا اثاثہ اور دارالمصنفین کی ۴۵ سالہ زندگی کا حاصل چند جوڑے کپڑوں، دو بکس، ایک پلنگ اور ایک بستر سے زیادہ نہ تھا، یہ وہ اوصاف ہیں جو اس زمانہ میں کسی ممتاز انسان میں مشکل سے مل سکتے ہیں، اس لحاظ سے مرحوم بڑے انسان تھے، مگر افسوس ظاہر پرست دنیا نے ان کی قدر نہ کی، اور اپنے کمالات کے لحاظ سے وہ جس درجے کے مستحق تھے، وہ حاصل نہ ہو سکا، اگرچہ وہ خود اس سے بہت بلند اور بے نیاز تھے۔

اس بے نفسی، سادگی اور بے تکلفی کی وجہ سے ہر طبقہ میں یکساں مقبول تھے، اور خواص سے زیادہ عوام اور غربا ان سے محبت کرتے تھے، ان کی موت کے بعد ہر زبان پر ان کی خوبیوں کا افسانہ اور ہر دل ان کی یاد میں مغموم تھا، اور

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

کا منظر نظر آ رہا تھا، جو انشاء اللہ عنداللہ ان کی مقبولیت کا ذریعہ ہوگا، کامل ۴۲ سال تک راقم کا ان کا اس طرح ساتھ رہا کہ سفر کے علاوہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے، اس طویل تجربہ میں ہر حیثیت سے ان کو نہایت نیک نفس انسان پایا، یوں تو بشری کمزوریوں سے کوئی انسان بھی

مستثنیٰ نہیں ہے، اس لیے وہ بھی معصوم عن الخطاء نہ تھے، مگر ان کی خطائیں بھی معصوم تھیں۔

انھوں نے نصف صدی تک علم وفن کی خدمت کی، اور مختلف علمی، ادبی اور مذہبی موضوعوں پر ہزاروں صفحات لکھے، انکی مستقل تصانیف کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے، شعر وادب سے خاص ذوق تھا، اور اس پر بڑی گہری اور استادانہ نظر رکھتے تھے، جس پر انکی تصنیف شعر الہند شاہد ہے، مذہبی تصانیف پر تاریخ اخلاق اسلامی، اسوۂ صحابہؓ، اسوۂ صحابیاتؓ اور سیرت عمر بن عبد العزیزؒ جیسی کتابیں لکھیں، متعدد مذہبی کتابوں کے ترجمے کیے، جنھوں نے کتنوں کو مسلمان بنا دیا، اس حیثیت سے ان کی مذہبی خدمات بھی کم نہیں ہیں، ان کی آخری تصنیف حکمائے اسلام حصہ دوم حال ہی میں شائع ہوئی ہے، اس کو لیکر وہ اپنے قدیم رفیق مولانا ابو الکلام صاحب سے ملنے کے لیے دلی جانے والے تھے، اور بڑے ذوق وشوق سے اسکی تیاریاں کر رہے تھے کہ پیام اجل آگیا اور ایسا دفعۃً جدا ہوئے کہ اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا، ان کی یاد دلوں سے فراموش نہ ہو گی، اور ان کی ایک ایک ادا یاد آکر دلوں کو تڑپاتی رہے گی۔

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

بار الہا اس نیک نفس انسان کی نیکیوں کے طفیل میں اسکی بشری لغزشوں سے درگذر فرما، اپنے رحم وکرم سے اپنی رحمت ومغفرت کے دروازے اسکے لیے کھول دے، اور جس طرح تو نے دنیا میں اسکو مقبولیت عطا فرمائی تھی، اسی طرح آخرت کی مقبولیت سے بھی سرفراز فرما۔ اللھم صب علیہ شآبیب رحمتک ورضوانک یا ارحم الراحمین۔

اگر ہو سکا تو انکی یادگار میں معارف کا خاص نمبر نکالا جائیگا، ورنہ انکے تفصیلی حالات کسی آیندہ نمبر میں پیش کیے جائینگے۔

دوسرا حادثہ مولوی محمد مبین صاحب کیفی چریاکوٹی کی وفات کا ہے، وہ ہندوستان کے قدیم نامور عالم اور مولانا شبلی کے استاد مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی کے لڑکے تھے، اور اس دور کے مشہور شاعر اور اہل قلم تھے، انھوں نے عربی کی تعلیم اپنے والد سے پائی تھی، مگر شعر وادب کیجانب رجحان زیادہ تھا، اسلیے اسی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے، ایک زمانہ میں انھوں نے العلم کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالا تھا، ان کا تعلق مختلف اداروں سے رہا، مگر طبیعت میں استقلال نہ تھا، اسلیے کوئی کام جم کر نہ کر سکے، آج سے دس پندرہ سال قبل ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے انکا تعلق تھا، اس زمانہ میں، انھوں نے جواہر سخن کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں اردو شعراء کا مبسوط تذکرہ مرتب کیا جو چھپ کر شائع ہو گیا ہے، انکی سب سے بڑی علمی یادگار یہی ہے، اسکے علاوہ متفرق مضامین ہونگے، کچھ دنوں تک مسلم یونیورسٹی کے کسی شعبہ میں بھی رہے تھے، آجکل اٹاوہ میں تھے ۔۔ دہم اکتوبر کو انتقال کیا، انکی موت سے چریاکوٹ کے عباسی خاندان کی آخری علمی یادگار مٹ گئی، اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت سے سرفراز فرمائے۔

مقالات

مسلمانوں کا علم ہندسہ

اور

اس کا اجمالی تعارف

از

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، رجسٹرار امتحانات عربی وفارسی صوبہ متحدہ

انسانی فکر کی ثروت میں متفکرین اسلام کی جگرکاویوں کا بہت بڑا مقام ہے، اس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی تہذیب واصلاح میں انھوں نے حصہ نہ لیا ہو، انھوں نے اپنے پیش رو یونانی حکماء کے کارناموں کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جو کچھ ان سے سیکھا اس میں چار چاند لگا کر اپنے جانشینوں کے لیے ایک عظیم المرتبت علمی ورثہ چھوڑ گئے، اگر اسلامی تہذیب کا بیچ میں واسطہ نہ ہوتا تو بلا مبالغہ یورپ کی تہذیب، ترقی کی اس منزل پر نہ پہنچتی جہاں وہ آج پہنچی ہوئی ہے،

دوسرے علوم وفنون کی طرح مسلمانوں نے ریاضی وہندسہ کو بھی ترقی دی، مگر افسوس زمانہ کی ناقدرشناسی اور اس سے زیادہ ان کے اخلاف کی غفلت سے ان کے علمی کارنامے اکثر تو بادحوادث کی نذر ہو گئے، اور جو باقی ہیں وہ یورپ کی لائبریریوں اور عجائب خانوں میں مقفل ہیں، ایسے ہمت شکن حالات میں ان کے ہندسی کارناموں کی داستان مرتب کرنا جس قدر مشکل ہے اظاہر ہے،

اسلام نے ابتدا ہی سے منظم اجتماعی زندگی پر زور دیا ہے، اس لیے اجتماعی زندگی کے تقاضوں کے پیش نظر مسلمانوں نے شروع ہی سے ان علوم و فنون کے حاصل کرنے کوشش کی جو تہذیب و تمدن کی ترقی کے لیے ضروری ہیں، ان علوم و فنون میں ریاضی و ہندسہ کا خاص مقام ہے، اور اگرچہ تاریخ نے اس کی تفصیلات ہمارے لیے محفوظ نہیں رکھیں، تاہم یہ باور کرنے کے لیے کافی وجوہ ہیں کہ مسلمان ابتدا ہی سے حساب و ہندسہ سے واقف تھے،

علوم ہندسہ میں اقلیدس کی "اصول الہندسۃ والحساب" کو جو اپنی شہرت کی بنا پر "کتاب اقلیدس" یا محض "اقلیدس" کہلاتی ہے خصوصی حیثیت حاصل ہے، اسلامی تاریخ میں اقلیدس کا تذکرہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (۱۳۵ - ۱۵۸) کے عہد خلافت میں آتا ہے، اس نے بادشاہ روم سے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں منگائی تھیں، ان میں اقلیدس کا نسخہ بھی تھا، اقلیدس کے علاوہ علم ہندسہ کی اور کتابیں بھی اس شاہی ہدیے میں تھیں یا نہیں، اس بات کی تفصیل معلوم نہیں، البتہ حسب تصریح ابن خلدون منصور کے عہد خلافت میں سب سے پہلی جس یونانی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا وہ اصول اقلیدس ہی تھی[1]، واقعات اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ منصور کے دربار میں ہندسہ سطح (Plane Geometery) کے علاوہ ہندسہ کرویہ (Spherical Geometery) کے بھی بہت سے جاننے والے تھے، جن میں محمد بن ابراہیم الفزاری کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، الفزاری ہی کے زیر نگرانی منصور کے حکم سے ہندوستانی علم الہیئت کی مشہور کتاب "سدھانت" کا عربی میں ترجمہ ہوا تھا[2]، سدھانت کا تیرھواں اور چودھواں باب مثلثات کرویہ (Spherical Triangles) کے حل سے متعلق ہے، جس کا ترجمہ وہی شخص کر سکتا ہے جو ہندسہ سطحیہ اور ہندسہ کرویہ دونوں سے اچھی طرح واقف ہو،

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۰۱، [2] اخبار العلماء باخبار الحکماء للقفطی ص ۱۷۷

اقلیدس کے عربی ترجمے کے متعلق سب سے پہلا تذکرہ "الفہرست لابن الندیم" میں ملتا ہے کہ ہارون الرشید (۱۷۰ - ۱۹۳) کے عہد میں اس زمانہ کے مشہور ریاضی داں مترجم حجاج بن یوسف ابن مطر نے اقلیدس کا عربی میں ترجمہ کیا، حجاج نے یہ ترجمہ یحییٰ بن خالد بن برمک کے حکم سے کیا تھا، برمکی خاندان کو علم و حکمت کی سرپرستی سے بڑی دلچسپی تھی، مگر ۱۸۷ھ میں یہ خاندان خلیفہ ہارون الرشید کے شکوک و شبہات کا شکار ہو گیا، اس کے بعد دوسری صدی کے اختتام تک ہم فلسفہ و حکمت اور ریاضی و ہندسہ کی کتابوں کے نقل و ترجمہ کے متعلق کچھ نہیں سنتے،

۱۹۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید سریر آرائے خلافت ہوا، اس کا ابتدائی عہد حکومت سیاسی شورشوں کے دبانے میں گزرا، لیکن جونہی اسے ان خانہ جنگیوں سے فرصت ملی، اس نے علم و حکمت کی سرپرستی شروع کر دی، اور اپنے پردادا منصور کی طرح بادشاہ روم سے خط و کتابت کے بعد اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ یونانی علوم کی عمدہ کتابیں بغداد بھیجدے، اور کتابوں کے انتخاب اور ان کو لانے کے لیے علماء و مترجمین کا ایک وفد روم بھیجا، جس میں اور لوگوں کے علاوہ حجاج ابن یوسف بن مطر، ابن البطریق اور سلما منتظم بیت الحکمۃ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،

"الناس علی دین ملوکہم" کے مطابق خلیفۂ وقت کی تقلید میں امرائے دربار نے بھی علم و ادب کی سرپرستی اختیار کی، اور اس میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے، ان مربیان علم و حکمت میں بنو موسیٰ بن شاکر کا نام تاریخ میں آج تک محفوظ ہے، ان کی علم نوازی و علم دوستی کا تذکرہ آگے آتا ہے

حجاج بن مطر نے جو ہارون الرشید کے عہد خلافت میں اقلیدس کا ترجمہ کر چکا تھا، مامون کی خسروانہ نوازشیں حاصل کرنے کے لیے دوبارہ اقلیدس کا ترجمہ کیا، ابن الندیم الفہرست میں کہتا ہے کہ "حجاج بن یوسف بن مطر نے اقلیدس کے یونانی سے عربی میں دو ترجمے کیے، ایک نقل ہارونی کہ

نام سے مشہور ہے، اور وہ پہلا ترجمہ ہے، اور دوسرا نقل ماموی کے نام سے مشہور ہے، اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، [1]

حجاج بن مطر حجاج کی نقل ہارونی آجتک نایاب ہے، اور غالباً محقق طوسی کے زمانہ (ساتویں صدی ہجری) میں بھی نہ تھی، البتہ نقل ماموی کے چھ مقالے ملتے ہیں جو لیڈن (Leiden) لائبریری کے مخطوطات میں محفوظ ہیں[2]، اور جنھیں بیستھورن (Besthorn) اور ہیبرگ (Heiberg) نے شائع کردیا ہے،

حجاج بن مطر کے علاوہ حسب ذیل مترجمین و مفسرین اقلیدس کا ذکر ابن الندیم نے اور کیا ہے:

"پھر اسحاق بن حنین نے اقلیدس کا ترجمہ کیا، اور ثابت بن قرۃ الحرانی نے اس کی اصلاح کی، ابوعثمان الدمشقی نے اس کے چند مقالوں کا ترجمہ کیا جن میں سے میں نے موصل میں علی بن احمد العمرانی کے کتب خانہ میں دسواں مقالہ دیکھا تھا، نیز اس کا ایک نسخہ علی بن احمد العمرانی کے غلام ابوالصقر القبیصی کے پاس بھی تھا جس سے ہمارے زمانہ کے لوگ المجسطی پڑھتے ہیں، شکوک اقلیدس کو ایرن (Heron) نے حل کیا، اور اقلیدس کی شرح النیریزی نے لکھی، ایک اور شخص نے جو الکرابیسی کے نام سے مشہور ہے، اور جس کا ذکر آیندہ آئے گا، اس کی شرح لکھی، الجوہری نے اس کی شرح از اول تا آخر لکھی، الجوہری کا ذکر آگے آئے گا، الماہانی نے اس کے پانچویں مقالے کی شرح لکھی، طبیب نظیف نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے رومی اقلیدس میں دسواں مقالہ دیکھا تھا، اس میں عام نسخوں سے جو لوگوں کے پاس ہیں، چالیس شکلیں زیادہ ہیں، لوگوں کے پاس جو نسخے ہیں ان میں ایک سو نو شکلیں ہیں، نظیف نے یہ بھی کہا تھا کہ اس نے اسے عربی میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا اور یوحنا القس نے ذکر کیا ہے کہ اس نے وہ شکل دیکھی تھی، جس کا ثابت بن قرۃ

---

۱ الفہرست لابن الندیم ص ۲۶۵ ۲ Codex Leidensis 399. ۳ کوپن ہیگن ۱۹۰۳ء

نے دعوی کیا تھا کہ وہ مقالۂ اولیٰ میں ہے اور یہ گمان کیا تھا کہ وہ یونانی نسخے میں ہے اور نظیف نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اسے یوحنا القس کو دکھایا تھا، ابوجعفر الخازن الخراسانی نے جس کا ذکر عنقریب آئیگا، کتاب اقلیدس کی شرح لکھی، ابوالوفا نے اس کتاب کی شرح لکھی مگر وہ اسے پورا نہ کرسکا، دسویں مقالے کی شرح ایک شخص نے جو ابن راہویہ الدرجانی کے نام سے مشہور ہے لکھی، ابوالقاسم الانطاکی نے پوری کتاب کی شرح لکھی، سند بن علی نے اس کتاب کی شرح لکھی تھی اور ابو علی نے اس کے نو مقالے اور دسویں مقالے کا کچھ حصہ دیکھا تھا، دسویں مقالے کی شرح ابویوسف الرازی نے لکھی، اور ابن العمید کے لیے اس کی تجوید کی اور الکندی نے اپنے رسالہ فی اغراض کتاب اقلیدس میں لکھا ہے ......[1]

اسحٰق بن حنین، ثابت بن قرۃ الحرانی اسحٰق بن حنین کا اصل مسودہ نایاب ہے، البتہ ثابت بن قرۃ الحرانی کی اصلاح کے ساتھ اس کے دو نسخے بوڈلین لائبریری میں موجود ہیں جن کی تیرہویں صدی عیسوی میں کتابت ہوئی تھی، تیسرا نسخہ رامپور لائبریری میں ہے،

ابوعثمان الدمشقی ابوعثمان الدمشقی نے غالباً پپس (Pappus) کی شرح مقالۂ عاشرہ کا ترجمہ کیا تھا، ابوعثمان کا ترجمہ پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہے،

النیریزی ابوالعباس الفضل بن حاتم النیریزی نجوم، خصوصیت سے علم الہیئت اور ارصاد الافلاک میں خصوصی دستگاہ رکھتا تھا، لیکن اس نے اقلیدس کی شرح بھی لکھی تھی، اس شرح کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ یہ ایرن (Heron) اور سنبلیقیوس (Simplicius) وغیرہ مہندسین یونانی کی ہندسی افکار کے معلومات کا واحد ذریعہ ہے، گیارہویں صدی میں جیرارڈ باشندہ کریمونا (Gherard of Cremona) نے اسے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا تھا، اس

---

۱ الفہرست ص ۲۶۱ - ۲۶۲

شرح کے عربی زبان میں صرف چھ مقالے ملتے ہیں جو کتب خانہ لیڈن میں موجود ہیں، انھیں بسٹھورن اور ہیبرگ نے شائع کر دیا ہے، جیرارڈ کریمونائی کی اس شرح کے لاطینی ترجمے کے دس مقالے کریکاؤ کے کتب خانہ میں موجود ہیں، انھیں کرتز (Curtze) نے شائع کر دیا ہے،

الکرابیسی الکرابیسی کے عنوان سے ابن الندیم لکھتا ہے "الکرابیسی کا نام احمد بن عمر ہے، وہ افاضل مہندسین اور علمائے اعداد میں سے ہے، اس کی ہندسی تصنیفات میں دو کتابیں ہیں، کتاب تفسیر اقلیدس اور کتاب مساحۃ الحلقۃ"[1] اسکی شرح اقلیدس کا دنیا میں صرف ایک ہی نسخہ ہے، جو بانکی پور لائبریری میں ہے لیکن اس میں صرف پہلے سات مقالے اور دسواں گیارھواں مقالہ ہے "کتاب مساحۃ الحلقۃ" کے نسخے بوڈلین اور قاہرہ میں موجود ہیں ۔

الجوہری العباس الجوہری کے عنوان سے ابن الندیم آگے لکھتا ہے، "العباس بن سعید الجوہری منجملہ ہیئت دانوں کے تھا، لیکن اسے ہندسیات سے زیادہ دلچسپی تھی، اس فن میں اسکی دو کتابیں ہیں
۱۔ کتاب تفسیر اقلیدس اور ۲۔ وہ اشکال جن کا الجوہری نے اقلیدس کے پہلے مقالہ میں اضافہ کیا ہے"[2]

محقق طوسی نے الرسالۃ الشافیہ میں لکھا ہے،

"الجوہری نے اقلیدس کی اصلاح کی ہے، اور مقدمات و مصطلحات میں اضافہ کیا ہے، اور اشکال کتاب میں تقریباً پچاس شکلیں بڑھائی ہیں"[3]،

الجوہری کی ایک کتاب "زیادات فی المقالۃ الخامسۃ من کتاب اقلیدس" فیض کی لائبریری میں موجود ہے، دوسری کتاب انڈیا آفس میں ہے۔

اقلیدس نے پہلے مقالے کی انیسویں شکل کو متوازی خطوط کے مصادرے (Parallel Postulate) کی مدد سے ثابت کیا تھا، الجوہری کو اس کے Postulate ہونے میں کلام ہے

---

[1] الفہرست ص ۲۶۶ [2] ایضاً ص ۲۷۰ [3] الرسالۃ الشافیہ (شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) بضمن رسائل طوسی ج ۲ ص ۲۶

لہٰذا اس نے اسے مسئلۂ اثباتی (Theorem) بنا کر دس شکلوں کی مدد سے ثابت کیا ہے، ان دس اشکال کو محقق طوسی نے الرسالۃ الشافیہ میں نقل کر کے ان پر تبصرہ کیا ہے،[1]

الماہانی الماہانی کے عنوان سے ابن الندیم آگے چل کر لکھتا ہے :-

"ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ اصحاب اعداد (علم حساب کے ماہرین) اور مہندسین میں سے تھا، علم ہندسہ میں اس کی دو کتابیں ہیں،

۱۔ کتاب رسالہ فی النسبۃ (رسالہ فی مشکل من النسبۃ)

۲۔ کتاب فی ستۃ وعشرین شکلاً من المقالۃ الاولیٰ من اقلیدس التی لایحتاج فی شئی منہا الی الخلف،[2]

پہلے مقالہ کی وہ چھبیس اشکال جن کے اثبات کے لیے ثبوت تخلف (Reductio ad absurdum) کی ضرورت نہیں پڑتی، ان میں سے اول الذکر غالباً پانچویں مقالہ کی شرح یا اس کا جزء ہے، اس کا ایک نسخہ پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہے، ان دو کتابوں کے علاوہ الماہانی نے دسویں مقالہ کی بھی شرح لکھی تھی جس کا ایک جزء پیرس لائبریری میں ہے، اس نے ارشمیدس کی "الکرۃ والاسطوانۃ" کی بھی شرح لکھی تھی جس کا دوسرا مقالہ لیڈن میں ہے، الماہانی نے حکیم مانالاؤس کی کتاب الاکر کی اصلاح بھی کی تھی،[3]

ابوجعفر الخازن ابوجعفر محمد بن ابوالحسن موسیٰ الخازن الخراسانی کے متعلق القفطی لکھتا ہے،

"وہ حساب، ہندسہ اور تسئیر کواکب میں تبحر رکھتا تھا، فن ارصاد کا عالم تھا، اور اس میں دستگاہ کامل رکھتا تھا، اور اس کے لیے اپنے زمانہ میں مشہور تھا"[4] ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس نے اقلیدس کی شرح لکھی تھی، لیکن غالباً الخازن نے صرف دسویں مقالہ کی شرح لکھی تھی، کیونکہ وہ اسکے

---

[1] الرسالۃ الشافیہ (شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد بضمن رسائل طوسی) ص ۱۱-۲۶ [2] الفہرست ص ۲۶۹ [3] کتاب الاکر لمانالاؤس شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد بضمن رسائل طوسی ج ۲ ص ۲ [4] القفطی اخبار العلماء باخبار الحکماء

آخر میں لکھتا ہے کہ باقی حصہ پر سلیمان بن عقبہ نے شرح لکھی ہے،

غرض ابو جعفر الخازن کی شرح اقلیدس میں سے دسویں مقالے کے نصف اول کی شرح ملتی ہے، اس کے نسخے لیڈن، برلن اور پیرس میں موجود ہیں،

ابو الوفاء البوزجانی — ابو الوفاء البوزجانی نے اصول اقلیدس کی شرح لکھنا شروع کی تھی، مگر ابن القفطی کی تصریح کے مطابق اسے مکمل نہ کر سکا،

حاجی خلیفہ چلپی نے ذکر کیا ہے کہ ابو الوفاء نے علم ہندسہ پر تیرہ مقالوں میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے ایک شاگرد نے استاد کے لکچروں کی مدد سے ایک نسخہ مرتب کیا تھا، مگر یہ دونوں کتابیں آج ناپید ہیں، البتہ موخر الذکر کا فارسی ترجمہ پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہے،

ابن راہویہ الارجانی اور ابو القاسم الانطاکی — ابن راہویہ الارجانی نے دسویں مقالے کی شرح لکھی تھی، مگر یہ شرح آج ناپید ہے، ابو القاسم علی بن احمد جس کا لقب مجتبیٰ تھا، اصل میں انطاکیہ کا رہنے والا تھا، لیکن بغداد میں متوطن ہو گیا تھا، ابو القاسم الانطاکی عضد الدولہ کے درباری علماء و حکماء میں خاص درجہ رکھتا تھا، القفطی کہتا ہے،

"وہ عضد الدولہ بن بویہ کے درباریوں میں علم الاعداد اور علوم ہندسیہ کی صف اول کے علماء میں سے تھا، ان علوم میں اس کی مستند تصانیف ہیں، اس کے ساتھ وہ یونانی علم و حکمت (علوم الاوائل) میں دستگاہ رکھتا تھا"[1]

ابو القاسم الانطاکی نے پوری اقلیدس کی شرح لکھی تھی، مگر اب اس کے پہلے چار مقالے نہیں ملتے، البتہ پانچویں مقالے سے آخر تک اکسفورڈ میں موجود ہیں،

سند بن علی — ابو الطیب سند بن علی مامون الرشید کے درباری منجمین اور ہیئت دانوں میں خاص

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۵،

شہرت رکھتا تھا، خالد بن عبد الملک المروذی یحییٰ بن ابی منصور اور العباس بن سعید الجوہری کی معیت میں اس نے رصدگاہ مامونی کی تولیت کے فرائض انجام دیے،

سند بن علی ہیئت کے علاوہ ہندسہ میں بھی دستگاہ رکھتا تھا، مسائل ہندسیہ کے باب میں اسکے اور بنو موسیٰ بن شاکر کے درمیان مذاکرات بھی رہا کرتے تھے، چنانچہ موخر الذکر کی تصانیف میں اس قسم کی دو کتابوں کے نام ملتے ہیں،

۱- کتاب المسالۃ التی القاہا علی سند بن علی، احمد بن موسیٰ

۲- کتاب مسائل جرت ایضاً بین سند و بین احمد

ابن الندیم نے شراح اقلیدس کے ضمن میں سند بن علی کا نام بھی لیا ہے، بلکہ اس سے ابو علی نے یہ بھی کہا تھا کہ موخر الذکر نے سند بن علی کی شرح اقلیدس کے نو دس مقالے بھی دیکھے تھے، ابن الندیم نے آگے چل کر سند بن علی کے ذکر میں اس کی ایک اور کتاب کا نام لیا ہے،

"کتاب المنفصلات والمتوسطات"[1] (On the Apotomae and the Medials)

ممکن ہے یہ موخر الذکر کتاب سند بن علی کی شرح اقلیدس کے دسویں مقالے کا جزء ہو، مگر اب سند بن علی کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے،

ابو یوسف الرازی — ابو یوسف یعقوب بن محمد الرازی نے دسویں مقالہ کی شرح لکھی تھی جسے ابن العمید کے نام پر معنون کیا تھا، یہ شرح بھی آج ناپید ہے،

الکندی — ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق الکندی جس نے یونانی علوم کے ہر شعبے میں متعدد کتابیں لکھی ہیں، اور جو اپنے تبحر علمی کی بنا پر "فیلسوف العرب" کہلاتا ہے، اس نے اقلیدس کے سلسلے میں تین کتابیں لکھی تھیں،

---

[1] الفہرست ص ۳۸۳-۳۸۴

۱۔ رسالہ فی اغراض کتب اقلیدس

۲۔ رسالہ فی اصلاح کتب اقلیدس (غالباً اصول اقلیدس کے اصل تیرہ مقالوں کی اصلاح ہے)

۳۔ رسالہ فی اصلاح مقالہ رابعہ عشر و خامسہ عشر من کتاب اقلیدس (اصول اقلیدس کے آخر میں حکیم ابسقلاؤس[1] نے جو دو مقالے چودہویں اور پندرہویں مقالے کے نام سے بڑھائے تھے، انکی اصلاح)

یہ تینوں کتابیں اب نایاب ہیں، لیکن ابن الندیم نے الفہرست میں اغراض اقلیدس سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ کتاب الاصول کو ابلونیوس النجار نے تصنیف کیا تھا، اور اس میں پندرہ مقالے تھے لیکن امتداد زمانہ سے یہ کتاب گوشۂ گمنامی میں پڑ گئی، کچھ دن بعد شاہان اسکندریہ میں سے کسی کو علم ہندسہ کا شوق ہوا، اس کے زمانہ میں اقلیدس موجود تھا، اس نے اقلیدس کو بلا کر اس کتاب کی اصلاح و تشریح کا حکم دیا، اقلیدس نے اس حکم کی تعمیل کی، اس وقت سے یہ کتاب اقلیدس کی طرف منسوب ہو گئی، اس کے بعد اقلیدس کے شاگرد ابسقلاؤس نے اصل کتاب کے چودہویں اور پندرہویں مقالوں کو دریافت کیا اور انھیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور وہ بھی کتابوں میں ملحق کر دیئے گئے۔[2]

مگر تحقیقات جدیدہ نے اس قسم کی حکایات کو اساطیر الاولین ثابت کر دیا ہے، اقلیدس ابلونیوس سے پہلے تھا ذکر جو میں، لیکن اس قسم کی افسانہ تراشیوں کی ذمہ داری الکندی پر نہیں ہے، بلکہ متاخرین نوفلاطونیوں اور سریانی نساطرہ پر ہے، جن سے الکندی اور دوسرے مسلمان فلاسفہ نے اس قسم کی دل خوش کن حکایتوں کو لیکر اپنی کتابوں میں درج کیا،

الکندی نے حسب تصریح ابن الندیم مندرجۂ ذیل کتابیں علم ہندسہ پر لکھیں،

۱۔ کتاب رسالہ فی تقریب قول ارشمیدس فی قدر قطر الدائرہ من محیطہا (دائرہ کے قطر اور محیط کی نسبت (۲۲) کی تقریبی قیمت نکالنے کے بارے میں)

---

[1] Hypsicles [2] الفہرست ص ۳۰۲

۲۔ کتاب رسالہ فی عمل شکل الموسطین (دو مقداروں کے درمیان دو ایسی مقداریں دریافت کرنے کے بارے میں کہ چاروں علی التوالی متناسب ہوں)

۳۔ کتاب رسالہ فی تقریب وتر الدائرۃ (دائرے کے وتر کی تقریبی قیمت دریافت کرنے کے باب میں)

۴۔ کتاب رسالہ فی تقریب وتر المتسع (نوضلع والی شکل منتظم یا متسع کے وتر کی تقریبی قیمت دریافت کرنے کے بارے میں)

۵۔ کتاب رسالہ فی تقسیم المثلث والمربع وعملہما (مثلث اور مربع کی تقسیم کے سلسلے میں)

۶۔ کتاب رسالہ فی کیفیۃ عمل دائرۃ مساویۃ لسطح اسطوانۃ مفروضۃ (ایک اسطوانہ Cylinder کی سطح کے مساوی ایک دائرہ بنانے کے بارے میں)

۷۔ کتاب رسالہ فی قسمۃ الدائرۃ ثلاثۃ اقسام (دائرہ کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے متعلق)[1]

ابن الندیم نے ان کے علاوہ الکندی کی اور کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو کروی ہندسہ (Spherical Geometery) بصریات (Optics) اور عملی ہندسہ Applied Geometery سے متعلق ہیں،

بنو موسیٰ بن شاکر

الکندی اور اس کے معاصرین کی ہندسی خدمات کا تذکرہ بنو موسیٰ بن شاکر کی علم نوازی و علم دوستی کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا، اس مشہور خاندان کے متعلق القفطی لکھتا ہے،

"موسیٰ بن شاکر اور اس کے تینوں بیٹے علم ہندسہ میں ممتاز تھے، یہ لوگ ریاضی و ہیئت میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے،......... اس کے تینوں بیٹے اپنے عہد کے مہندسین میں سب سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے"[2]

بنو موسیٰ میں سب سے چھوٹا بھائی حسن بن موسیٰ علم ہندسہ سے خصوصی شغف رکھتا تھا، اگرچہ

---

[1] الفہرست ص ۳۰۰ [2] القفطی ص ۲۰۸

اس نے اسم معروف کے مطابق اصول اقلیدس کو تمام (تیرہ مقالے) نہیں پڑھا تھا، بلکہ نصف سے بھی کم یعنی صرف چھ مقالے پڑھے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے فکر رسا و ذہن ثاقب عطا فرمائے تھے، اس لیے جہاں تک اور لوگ وسعت مطالعہ کے بعد بھی نہ پہنچ سکے، وہ محض اپنے ذہن وقاد کی مدد سے پہنچ گیا، چنانچہ القفطی لکھتا ہے،

تیسرا بیٹا حسن علم ہندسہ میں منفرد تھا، اس فن میں کوئی اس تک نہیں پہنچ سکا، جو کچھ اس نے سیکھا محض اپنی طبیعت سے سیکھا، ہندسہ کی کتابوں میں سے اس نے اصول اقلیدس کے صرف چھ مقالے پڑھے تھے، جو نصف کتاب سے بھی کم ہیں، لیکن اس کا حافظہ عجیب اور قوت تخیل بڑی زبردست تھی، اس نے اپنی طبیعت سے ان مسائل کا استخراج کیا جنھیں قدما میں سے کسی نے حل نہیں کیا تھا، جیسے زاویہ کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرنا (Trisection of an angle) اور دو خطوں کے درمیان دو ایسے خط معلوم کرنا کہ چاروں متوالی نسبت (Continued proportion) میں ہوں [یا تضعیف مکعب Duplication[۱] of a cube]

بنو موسیٰ ہی کی علم دوستی کی وجہ سے اپلونیوس کی کتاب المخروطات (Conica) کا یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا، یہ واقعہ ہے کہ اگر بنو موسیٰ نے اس کتاب کی تلاش میں اس قدر اعتنا نہ کیا ہوتا تو یہ کتاب بلکہ یہ فن کب کا مٹ گیا ہوتا، چنانچہ آج اصل یونانی میں بھی اس کتاب کے صرف پہلے چار مقالے ملتے ہیں، بقیہ تین مقالے اور آٹھویں مقالے کی پہلی چار شکلیں محققین یورپ کو تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکیں، اگر ہوئیں تو عربی میں، چنانچہ جب اٹھارہویں صدی میں ہیلے (Halley) اور گریگوری نے مخروطات اپلونیوس کا اڈیشن شائع کرنا چاہا تو آخری تین مقالوں کا ترجمہ عربی سے لینا پڑا،

[۱] القفطی اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۲۰۸،

غرض بنو موسیٰ کی توجہ سے مخروطات اپلونیوس کا یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا، پہلے چار مقالے جن کی تلاش میں کم دقت اٹھانا پڑی، اپنی نگرانی میں ہلال بن ابی ہلال الحمصی سے ترجمہ کرائے، لیکن بقیہ چار مقالات کی تلاش و جستجو میں غیر معمولی دقت کا سامنا کرنا پڑا، مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری اور ثابت بن قرۃ الحرانی نے اس کی ہمت افزائی و قدرشناسی سے پانچویں، چھٹے، ساتویں مقالے اور آٹھویں مقالے کی پہلی چار اشکال کا پتہ لگا کر انھیں عربی میں ترجمہ کیا، اس کے بعد بنو موسیٰ نے خود اس کتاب پر ایک بصیرت افروز مقدمہ لکھا، اور اصل کتاب میں بعض مفید اشکال کا اضافہ کیا، ان میں سے ایک شکل ہی شکل بنو موسیٰ کے نام سے مشہور ہے،

ہلال بن ابی ہلال الحمصی کا پہلے چار مقالات کا ترجمہ بوڈلین اور جامعہ ایا صوفیا میں موجود ہے، اس کا ایک حدیث الکتابت نسخہ مولانا عبدالعزیز المیمنی سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پاس ہے، ثابت بن قرہ کے بقیہ تین مقالات کا ترجمہ بھی بوڈلین لائبریری میں موجود ہے، اسی طرح محمد بن موسیٰ نے جو مخروطات پر مقدمہ لکھا تھا، وہ بھی بوڈلین لائبریری میں موجود ہے[۱]،

بنو موسیٰ نے مخروطات کے علاوہ حسب تصریح ابن الندیم مندرجہ ذیل کتابیں علم ہندسہ میں لکھیں:

۱- کتاب الشکل المدور المستطیل

۲- کتاب الشکل الہندسی الذی بین جالینوس امرہ

۳- کتاب المسئلۃ التی القاہا علی سند بن علی احمد بن موسیٰ،

۴- کتاب مسائل جرت بین سند و بین احمد

۵- کتاب المثلثات

[۱] بروکلمن ملحق تاریخ الادب العربی ص ۳۸۳ رقم ۲۱۶

۳۔ کتاب مساحۃ الاکر و قسمۃ الزوایا بثلاثۃ اقسام متساویۃ و وضع مقدار [مقدارین] بین مقدارین لیتوالی علی نسبۃ واحدۃ[1]

[کرہ کی مساحت، زاویا کی تثلیث اور دو مقداروں کے درمیان ایسی دو مقداریں دریافت کرنے کے سلسلے میں کہ چاروں علی التوالی نسبت میں ہوں]

ان میں سے صرف موخر الذکر کتاب موجود ہے، اس کے نسخے بوڈلیں، قسطنطنیہ اور رامپور وغیرہ میں پائے جاتے ہیں، اور دائرۃ المعارف حیدر آباد نے "رسائل طوسی" جلد دوم کے ضمن میں اسے "معرفۃ مساحۃ الاشکال البسیطۃ والکریۃ" کے نام سے شائع کیا ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مثلث کے رقبہ کا ضابطہ جسے عموماً ایرن (Heron) کی دریافت کہا جاتا ہے، بنو موسیٰ نے اسے بغیر حکمائے سابقین کی خوشہ چینی کے (Independently) دریافت کیا تھا، چنانچہ اس کتاب کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے،

"اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے وہ سوائے دو مسئلوں کے سب ہماری ہی دریافت ہے۔ وہ دو مسئلے یہ ہیں: (۱) دائرے کے قطر سے اس کے محیط کو دریافت کرنا، یہ ارشمیدس کی دریافت ہے، اور (۲) دو دی ہوئی مقداروں کے درمیان دو ایسی مقداروں کا دریافت کرنا کہ چاروں نسبت متوالیہ میں ہوں، یہ مانالاؤس کی دریافت ہے"[2]

غرض ان دو شکلوں کے علاوہ اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ بنو موسیٰ کی اپنی تحقیقات ہے، اور ان میں ساتویں شکل خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے جس کا دعویٰ عام حسب ذیل ہے:

"اگر کسی مثلث میں اس کے اضلاع کے مجموعہ کے نصف کو اس نصف اور ایک ضلع کے فرق کے ساتھ ضرب دیا جائے، پھر حاصل ضرب کو اس نصف اور دوسرے ضلع کے فرق میں ضرب

---

[1] الفہرست ص ۲۷۱-۳۷۲، ۳۷۹، [2] لیکن درحقیقت ارشمیدس کی دریافت ہے، دیکھئے رسالہ استخراج الاوتار بضمن رسائل البیرونی شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدر آباد، ص ۷۱ [3] معرفۃ مساحۃ الاشکال البسیطۃ والکریۃ بضمن رسائل طوسی شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدر آباد، ص ۱۹

دیا جائے اور پھر اس حاصل ضرب کو اس نصف اور تیسرے ضلع کے فرق میں ضرب دیا جائے تو آخری حاصل ضرب مثلث کے رقبہ کے مربع کے برابر ہوگا"[1]

Area of ΔABC = symbolically $\sqrt{s(s-a)(s-b)(s-c)}$, where $s = \frac{a+b+c}{2}$

بنو موسیٰ کی علمی خدمات و ہندسی اکتشافات کا استقصاء موجب تطویل ہوگا، لہٰذا اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسرے مہندسین اسلام کے کارنامے سنیے۔

نظیف شراح اقلیدس کے تذکرہ میں ابن الندیم نے لکھا ہے،

"طبیب نظیف نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے رومی اقلیدس میں جو دسواں مقالہ دیکھا تھا اس میں عام نسخوں سے جو لوگوں کے پاس ہیں، چالیس شکلیں زیادہ ہیں، لوگوں کے پاس جو نسخے ہیں ان میں ایک سو نو (۱۰۹) شکلیں ہیں، نظیف نے یہ بھی کہا تھا کہ اس نے اسے عربی میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور یوحنا القس نے ذکر کیا ہے کہ اس نے وہ شکل دیکھی تھی جس کے متعلق ثابت بن قرہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ مقالۂ اولیٰ میں ہے اور یہ گمان کیا تھا کہ وہ یونانی نسخے میں ہے، اور نظیف نے ذکر کیا کہ اس نے اسے وہ دکھائی تھی"[2]

غالباً اس رومی اقلیدس کا عربی میں ترجمہ ہوا خواہ نظیف نے کیا یا کسی اور نے اور اس ترجمے کے کچھ اجزا پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہیں، ان میں سے ایک جزء میں یہ تصریح ہے کہ "مقالہ عاشرہ کی بعض اشکال میں کچھ اضافے ہیں جو یونانی اقلیدس میں نہیں ہیں"

یوحنا القس یوحنا القس کے متعلق آگے چل کر ابن الندیم لکھتا ہے،

"یوحنا القس جس کا نام یوحنا بن یوسف بن الحارث بن البطریق القس ہے، ان فضلائے وقت میں سے تھا جن سے طالبان علم اقلیدس اور دیگر کتب ہندسہ پڑھا کرتے تھے، اس نے

---

[1] معرفۃ مساحۃ الاشکال البسیطۃ والکریۃ بضمن رسائل طوسی جلد دوم شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدر آباد (ص ۹)
[2] الفہرست ص ۲۷۱

یونانی زبان سے ترجمے کیے، وہ اپنے عہد کا فاضل تھا...... اس کی (ہندسی) تصانیف میں ایک مقالہ ہے جس کا عنوان ہے:

"اگر ایک خط مستقیم دو خطوط مستقیم کو جو ایک ہی سطح میں واقع ہوں قطع کرے تو دو داخلی زاویوں کا مجموعہ جو ایک ہی جہت میں واقع ہوں، دو قائمہ زاویوں سے کم ہوگا (؟)"[1]

لیکن یوحنا القس کی تصانیف میں سے اب کچھ نہیں ملتا، صرف منطق و اصم اعداد پر ایک رسالہ پیرس کی قومی لائبریری میں ہے،

ثابت بن قرۃ ثابت بن قرۃ نے حنین بن اسحاق کے ترجمۂ اقلیدس کی اصلاح اور مخروطات اپلونیوس (Appoloneous) کے نصف آخر کے ترجمے کے علاوہ نفس اقلیدس کے متعلق کئی کتابیں لکھیں جن میں سے بعض کے نام حسب تصریح ابن ابی اصیبعہ یہ ہیں:

۱۔ کتاب اعمال و مسائل اذا وقع خط مستقیم علی خطین۔ (اگر ایک خط مستقیم دو خطوں کو قطع کرے تو اس کے متعلق اعمال و مسائل پر ایک کتاب)

۲۔ مقالۃ اخری فی ذلک (اسی بحث پر دوسرا مقالہ)

۳۔ کتاب فی مقدمات اقلیدس

۴۔ کتاب فی اشکال اقلیدس

۵۔ المدخل الی کتاب اقلیدس[2] (اقلیدس کا تعارف یا Introduction)

نمبر ۱ و ۲ غالباً مصادرہ توازی خطوط (Parallel Postulate) کی تنقیح کے متعلق اور نمبر ۳ مصادرات اقلیدس کی تبیین و توضیح پر ہوں گے، ان میں سے نمبر ۱ پیرس کی قومی لائبریری میں موجود ہے،

---

[1] الفہرست ص ۳۰۱ [2] طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۲۱۹

ان کے علاوہ ثابت بن قرہ نے دوسرے یونانی مہندسین کی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا، اور خود بھی بہت سی کتابیں تالیف کیں جن میں سے اکثر آج ناپید ہیں، اور کچھ قسطنطنیہ، قاہرہ، یورپ اور بانکی پور وغیرہ کے کتبخانوں میں ملتی ہیں، بعض کتابیں دائرۃ المعارف حیدر آباد نے شائع کی ہیں،

ابو محمد الحسن بن عبید اللہ ابو محمد الحسن بن عبید اللہ بن سلیمان بن وہب فضلائے مہندسین میں سے تھا، ابن الندیم نے اس کی دو ہندسی کتابوں کے نام لکھے ہیں،

۱۔ کتاب شرح المشکل من کتاب اقلیدس (اقلیدس کے مشکل مقامات کی شرح) ۲۔ فی النسبۃ مقالہ[1]

قسطا بن لوقا قسطا بن لوقا البعلبکی نے جو اپنے زمانہ کا صاحب کمال طبیب، مہندس اور فلسفی و مترجم تھا، ہندسہ میں بہت سی کتابیں ترجمہ کیں اور بہت سی خود تالیف کیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں،

۱۔ کتاب المدخل الی علم الہندسہ ۲۔ کتاب شکوک کتاب اقلیدس

۳۔ رسالہ فی استخراج مسائل عددیات من مقالۃ الثالثۃ من اقلیدس[2] (اقلیدس کے تیسرے مقالے سے مسائل عددیات کے استخراج کے متعلق ایک رسالہ)

سنان بن ثابت بن قرہ سنان بن ثابت بن قرہ نے ہندسہ کی کسی مشہور کتاب کی اصلاح لکھی جس میں اکثر مقامات پر اضافے کیے، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی تصانیف میں ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جسکا نام ہے

"اصلاحہ لکتاب...... فی اصول الہندسۃ وزاد فی ہذا الکتاب شیئاً کثیراً"[3]

ممکن ہے بیاض میں اقلیدس کا نام ہو، (باقی)

---

[1] الفہرست ص ۲۸۱ [2] طبقات الاطبا، لابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۲۴۵ [3] ایضاً ص ۲۲۴

اسلامی قانون اجرت کا ایک باب

از جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۴)

اہل پیشہ اجیروں کے حقوق

اب تک ان اجیروں، مزدوروں اور ملازموں کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے جو انفرادی طور پر کسی کارخانہ میں محنت مزدوری کرتے ہیں، مگر اجیروں کی ایک قسم ان اہل پیشہ اور اہل حرفہ اجیروں کی ہے جو کسی کی ملازمت یا کسی دوسرے کے کارخانہ میں بحیثیت اجیر کام نہیں کرتے بلکہ وہ خود ذاتی طور پر اپنے گھر پر اجرت پر کام کرتے ہیں، وہ دوسروں کے پاس خود نہیں جاتے بلکہ خود ان کے پاس لوگ آتے ہیں، اور اجرت دیکر کام کراتے ہیں، مثلاً لوہار، سنار، درزی، رنگریز، دھوبی وغیرہ، ہندو دھرم تو انھیں ناپاک تصور کرتا ہے، ان کے ساتھ کھانے کو ہڈی اور بال کھانے سے تشبیہ دیتا ہے، مگر اسلام ان کے بھی حقوق اور فرائض کی تعیین کرتا ہے، اور ان کو معاشرہ میں مساویانہ مقام عطا کرتا ہے۔

اسلامی قانون اجرت میں پہلے قسم کے اجیروں کو اجیر خاص یا اجیر واحد اور دوسرے قسم کے اجیروں کو اجیر مشترک کہا جاتا ہے، اجیر مشترک کے حقوق بھی قریب قریب وہی ہیں جو اجیر خاص کے بیان کیے گئے ہیں، صرف چند باتوں میں دونوں کے احکام بدل جاتے ہیں، وہ یہ ہیں،

۱۔ اجیر خاص مستاجر سے اجرت و محنت کا جو معاہدہ کرتا ہے، اس میں اجرت اور وقت کی تعیین تو ضروری ہے، مگر کام کی پوری تفصیل اور اس کی نوعیت کی تصریح ضروری نہیں، مگر

اجیر مشترک کے معاہدہ میں وقت کی تعیین ضروری نہیں ہے، بلکہ اس میں کام کی نوعیت اور قسم بتانا ضروری ہے، وقت کی تعیین اجیر کی مرضی پر ہے، مثلاً کارخانہ دار کو مزدور کی اجرت اور کام کا وقت تعین کرنا ضروری ہے، لیکن اگر کسی درزی کو کپڑا سینے، کسی سنار کو زیور بنانے کے لیے دیا جائے تو اس کا اور آپ کا مشترک حق ہے کہ آپ یہ طے کریں کہ کپڑا کیسا اور کس قسم کا سلا جائے گا، قمیص ہوگی یا کرتہ، یا پائجامہ ہوگا یا پتلون، اگر قمیص ہوگی تو اس میں کالر ہوگا یا سادہ، کرتا ہاتھ سے سلا جائے گا یا مشین سے، پائجامہ بڑی مہری کا ہوگا یا چھوٹی وغیرہ وغیرہ، اسی طرح زیور کیسا اور کس نوعیت کا ہوگا، اس کی تعیین نمونہ دکھا کر یا اشارہ سے بھی ہو سکتی ہے، مگر اس کو وقت کی تعیین پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، یہ اس کا حق ہے کہ جب چاہے دے، البتہ اگر وہ وقت بتا دے تو پھر اس کیلئے وقت پر دینا ضروری ہوگا، اجیر خاص اگر اس متعین مدت اور وقت تک اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہا اور وہ کسی وجہ[1] سے کام نہ کر سکا تو اجرت کا مستحق قرار پائے گا، اور اجیر مشترک اجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جب کام حسب معاہدہ پورا کرے، البتہ اگر دونوں راضی ہوں یا یہ شرط کر لی تھی کہ اجرت پہلے مل جائے گی تو وہ مانگ سکتا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ "لان العمل فی البعض غیر منتفع بہ" اس لیے کہ بسا اوقات اس کا کام ٹھیک نہیں ہوتا،

۲۔ اجیر خاص سے گھر یا کارخانہ کی کسی چیز کو اگر نقصان پہنچ جائے تو اس کو اس کا تاوان دینا نہیں پڑے گا، مگر اجیر مشترک کو بعض صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا، مثلاً گھر کے ملازم سے گھڑا، گلاس، برتن یا کوئی ایسی چیز جس کے استعمال کی اسے اجازت ہے، اچانک گر کر ٹوٹ جائے تو اسکے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں، البتہ اگر وہ ایسی چیز کا نقصان کرے جو اس کے چارج میں نہیں ہے یا قصداً ایسا کرے تو وہ اس کا ضامن ہوگا،

---

[1] وجہ سے مراد یہ ہے کہ مستاجر نے اس سے کوئی کام لیا ہی نہیں یا پھر چھٹی تھی یا اس نے بیماری کی رخصت لی تھی وغیرہ۔

اسی طرح اگر کسی کارخانہ کے مزدور سے اچانک ایسی مشین ٹوٹ جائے جس کو وہ چلا رہا ہے، یا غلطی سے کسی ایسی چیز کا نقصان ہو جائے جو اس کے چارج میں ہے تو اس پر اس کی ذمہ داری نہیں ہوگی، البتہ اگر قصداً خراب کردے تو اس کا ذمہ دار ہوگا۔

لیکن اگر اجیر مشترک سے کسی چیز کا نقصان ہوگا تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا، مثلاً اگر دھوبی سے کپڑا جل جائے یا پھٹ جائے بشرطیکہ وہ بالکل کمزور نہ ہو، یا درزی کپڑا چھوٹا کردے یا سنار آرڈر کے خلاف کوئی زیور بنادے، تو ان صورتوں میں ان سے تاوان لیا جائے گا، اور اگر وہ چیز بالکل ہی ضائع یا خراب ہو جائے، مگر اس کے عمل میں ان کو کوئی دخل نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ ان سے ضمان نہ لیا جائے، مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے ہے کہ تاوان لیا جائے گا، اس لیے کہ ان کے اوپر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ان اموال کی حفاظت کریں، جن کو انھوں نے اپنے ذمہ اور قبضہ میں لیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ چیز جو تلف ہوئی ہے، اجیر کے ہاتھ میں امانت تھی، اور امانت کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان اس پر نہیں ہے۔

اس بارے میں عاجز اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اگر معاشرہ صالح ہے، اور اس بات کا امکان کم ہو کہ لوگ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر خواہ مخواہ لوگوں کے مال کو خورد برد کریں گے تو یقیناً ضمان نہ لیا جائے گا، اس لیے کہ اس کی طرف سے کوئی زیادتی (تعدی) نہیں پائی گئی ہے، تعدی کے بغیر ضمان نہیں ہے، اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے "فلا عدوان علی الظالمین" سے بھی استدلال کیا ہے۔ اور اگر معاشرہ صالح نہ ہو، بلکہ اس کا امکان زیادہ پایا جاتا ہو کہ اس طرح سے اہل پیشہ لوگوں کے اموال ہڑپ کر جائیں گے، جیسا کہ اس زمانہ میں ہے تو ایسی صورت میں ضرور ضمان لیا جائے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اس پر عمل کیا تھا حضرت

کے بارے میں ہے کہ

كان يضمن الاجير المشترك احتياطاً لاموال الناس[1]

لوگوں کے مال کی حفاظت کے خیال سے اجیر مشترک سے وہ تاوان لیتے تھے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ عقلی طور پر تو یہی بات درست ہے کہ ان سے ضمان نہ لیا جائے گا، مگر صاحبین نے استحساناً ضمان عائد کردی ہے، اور مقصد یہ ہے

لصيانة اموال الناس

تاکہ لوگوں کی چیزیں اور اموال ضائع نہ ہونے پائیں

ہدایہ کے محشی نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ

لان الاجير المشترك يتقبل اعمالاً كثيرة رغبة في كثرة الاجر وقد يعجز عن قضاء الحق فلا يأخذ الا بقدر ما يقدر على حفظه

اہل پیشہ سے تاوان اسلیے لیا جائے گا کہ وہ لوگوں کا سامان اجرت کی زیادہ سے زیادہ حرص کی وجہ سے لیتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ انکی حفاظت ان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے تو تاوان کی وجہ سے وہ اتنا ہی سامان لیں گے جتنے سامان کی وہ باقاعدہ حفاظت کرسکیں،

مقصد یہ ہے کہ ان سے اس لیے تاوان لینا چاہیے کہ ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو، اور وہ اپنے فائدہ کی لالچ میں دوسروں کا نقصان نہ کریں، صاحب بدائع الصنائع نے بھی یہی لکھا ہے،

غرض ائمہ کا یہ اختلاف حالات وظروف کے اختلاف کی بنا پر ہے، اور یہ صورت آج بھی پیش آسکتی ہے،

---

[1] بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۱۰

لیکن اگر یہ نقصان عامۃ الورود طریقہ سے اور اس کی غفلت کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ کسی اچانک حادثہ سے ہو جائے تو باتفاق ائمہ اجیر پر کوئی ذمہ داری نہیں عائد ہوتی، مثلاً دھوبی یا درزی کے گھر میں آگ لگ گئی، اور کپڑا جل گیا، مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ آگ اس کی یا اس کے گھر والوں کی وجہ سے نہ لگی ہو، مثلاً چولھے میں آگ رہ گئی یا حقہ، سگریٹ، بیڑی پی کر کسی نے آگ یا اس کا ٹکڑا چھوڑ دیا اور آگ لگ گئی، تو ان صورتوں میں اس پر تاوان ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے ہوائی جہاز یا سمندری جہاز یا ریل سے کوئی سامان بھیجا اور اس میں آگ لگ گئی تو اس میں بھی یہی بات دیکھی جائیگی کہ اگر عملہ کی غلطی یا ان کی انتظام کی طرف سے غفلت کو اس میں دخل ہے تو جہاز کی کمپنی یا ریل کے ڈپارٹمنٹ پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ اسلامی قانون تجارت[1] کے سلسلہ میں آئے گی،

× ۳- اگر مستاجر اجیر مشترک کو اجرت نہ دے تو وہ اجرت کے لیے اس کے سامان کو روک سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہا نے اجیر مشترک کی دو قسمیں قرار دی ہیں، ایک قسم کے اجیر تو ایسا کر سکتے ہیں اور دوسری قسم کے نہیں کر سکتے،

۱- کل صانع لیس لعملہ اثر فی العین فلہ ان یحبس العین بعد الفراغ من عملہ

ہر پیشہ ور جس کے عمل کا اثر اصل شے پر پڑتا ہو یعنی اسکے عمل سے اس میں کوئی تبدیلی ہو جاتی ہو تو اسکو سامان بنانے کے بعد اجرت میں روک لینے کا اختیار ہے،

مثلاً سنار زیور بنا کر، لوہار انگیٹھی بنا کر، درزی کپڑا سی کر، رنگ ریز کپڑا رنگ کر، دھوبی کپڑا دھو کر لایا تو جب تک مزدوری نہ ملے، ان کو یہ حق ہے کہ وہ آپ کا سامان نہ دیں،

۱؎ یہ رسالہ زیر ترتیب ہے،

۲- وکل صانع لیس لعملہ اثر فی العین فلیس لہ ان یحبس العین

ہر وہ اجیر جس کے عمل کا اثر اصل شے پر نہ پڑتا ہو تو اجرت میں اس کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

مثلاً کسی نے قلی سے سامان ڈھلوایا، تو اس کو اجرت میں سامان روکنے کا حق نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے ڈھونے سے سامان میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے، اس پر نقل و حمل کے تمام ذرائع کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

یہ رائے امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کی ہے، اجیروں کے نقطۂ نظر سے اس بارے میں امام مالک کی رائے زیادہ انسب اور مفید معلوم ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے اجیر کو خواہ اس کے عمل کا اثر اصل شے پر پڑے یا نہ پڑے یہ حق ہے کہ وہ اپنی اجرت کی ادائیگی تک اصل چیز کو روک لے، چنانچہ فرماتے ہیں،

لھم ان یحبسوا ما عملوا حتی یعطوا اجرھم

ان کو حق ہے کہ اجرت کی ادائیگی تک وہ اصل کو روک لیں

مالکی فقہ کے مدون امام سحنون کہتے ہیں کہ میں نے ابن قاسم سے پوچھا کہ "اگر میں کسی شخص سے کہوں کہ میرا اتنا غلہ یا اتنا سامان اپنے سر پر یا اپنی سواری یا کشتی کے ذریعہ فلاں جگہ پہنچا دے تو میں تم کو اتنی اجرت دوں گا تو

منعنی متاعی او طعامی حتی یقبض حقہ

توکیا اس کو حق ہے کہ وہ میرا سامان یا غلہ اجرت ملنے کے وقت تک روک لے،

ابن قاسم نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا ہو "ذلک لہ" (ہاں اسکو اس کا حق ہے) بلکہ یہاں تک فرمایا:

وان فلس رب المتاع کان

اگر سامان والے کے پاس پیسہ موجود نہ ہو تو

هذا الحمال احق بما في يديه من الغرماء حتى يقضي حقه[1]	بھی سامان لیجانے والے کو دائن سے زیادہ حق ہوگا جبتک اسکی اجرت نہ مل جائے اس کے سامان کو وہ بطور ضمانت رکھ لے اور وہ جب تک نہ ادا کر گویا وہ اس کا مقروض ہوگا،

عاجز کے نزدیک امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کی رائے اخلاقی حیثیت سے بالکل صحیح ہے، مگر تمدنی اور معاشی نقطۂ نگاہ سے امام مالک کی رائے زیادہ صحیح اور قابل عمل ہے، اگر اجیروں کو یہ حق نہ دیا جائے تو ان پر بڑا ظلم ہوگا، اور ان کی بڑی حق تلفی ہوگی، خاص طور سے اس زمانہ میں،

محنت کش جانوروں کے حقوق

اسلام نے محنت کش انسانوں ہی کے نہیں، بلکہ محنت کش جانوروں تک کے حقوق کا تحفظ کیا ہے، اس وقت دنیا کے کسی مذہبی یا سیاسی دستور میں محنت کش جانوروں کے حقوق کا کوئی ایسا مکمل قانون موجود نہیں ہے، جس میں ان کے حقوق کی پوری ضمانت وحفاظت کی گئی ہو، اگر کہیں قانونی طور پر ان کی حفاظت کی بھی گئی ہے تو اس کا تعلق محض جذبات و روایات یا بعض مادی منفعتوں سے ہے، مگر اس حیثیت سے ان کے حقوق متعین نہیں کیے گئے ہیں کہ وہ بھی خدا کی ایک بے زبان مخلوق ہیں، اس لیے ان کے ساتھ بھی انسان کو رحم و کرم کا معاملہ کرنا چاہیے، ضرورت کے لیے ان سے کام لینا اور فائدہ اٹھانا، تو صحیح ہے، مگر ان پر ظلم و ستم کرنا، ان کی طاقت سے زیادہ کام لینا، ان کو خواہ مخواہ تکلیف دینا، ان کی نگہداشت نہ کرنا اور ان کو آرام نہ پہنچانا اخلاق و قانون دونوں لحاظ سے مجرمانہ فعل ہے،

قرآن و حدیث میں یوں تو عام جانوروں کے حقوق کا ذکر ہے، خواہ چرند ہوں یا پرند، مگر موضوع کی مناسبت سے یہاں محض محنت کش جانوروں کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے،

---

[1] المدونہ: ج ۳ ص ۴۴۴

اسلام نے جانوروں سے ہر جائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، ان سے بار برداری، سواری، کھیتی باڑی کا کام لیا جا سکتا ہے، ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے، ان کے بال، چمڑے، گوشت، ہڈی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، قرآن نے ان فوائد کے ساتھ ان کو عزت اور زینت کا سبب بھی قرار دیا ہے، مثلاً

والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع	اس نے چوپایوں کو پیدا کیا جس میں تمہارے لئے
ومنها تاكلون ولكم فيها جمال	جاڑے سے بچنے کا سامان ہے، اور بہت سے دوسرے
حين تريحون وحين تسرحون و	فوائد ہیں، ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو،
تحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا	انکی وجہ سے تمہیں رونق حاصل ہوتی ہے، خاص طور سے
بالغيه الا بشق الانفس ان ربكم	جب صبح کے وقت تم چرانے کے لیے لیجاتے ہو اور
لرؤف رحيم والخيل والبغال	شام کے وقت جب تم چرا کر واپس گھر آتے ہو
والحمير لتركبوها وزينة و	اور وہ تمہارے بوجھ ایسے مقامات پر پہنچاتے ہیں
يخلق ما لا تعلمون	جہاں تم بڑی مشقتوں کے بعد پہنچ سکتے تھے،
	واقعی تمہارا پروردگار بڑی مہربانی اور شفقت والا ہے
	اور اس نے گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کیے ہیں تاکہ
	تم ان پر سوار بھی ہو اور ان سے تمہاری زینت و
	آرائش ہو اور انکے علاوہ تمہارے لیے نقل و حمل کے،
	وہ اسباب و ذرائع پیدا کریگا جنکو تم جانتے بھی نہیں،

دوسری جگہ ہے،

اولم يروا انا خلقنا لهم مما	کیا وہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے اپنے ہاتھ سے

عملت ایدینا انعاماً فھم لھا مالکون وذللنٰھا لھم فمنھا رکوبھم ومنھا یاکلون ولھم فیھا منافع ومشارب افلا یشکرون

جو چیزیں بنائی ہیں، ان میں چوپائے ہیں تو انکے لوگ مالک بنجاتے ہیں، حالانکہ ان چوپایوں کو ہم ہی نے انکا تابعدار بنایا ہے، تو ان میں سے بعض پر سوار ہوتے ہیں اور بعض کو کھاتے ہیں اور ان کے بہت سے فائدے ہیں، اور انکے ذریعہ کھانے پینے کا سامان ملتا ہو پھر بھی وہ شکر نہیں کرتے،

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں جن میں ان سے فائدہ اٹھانے کا ذکر ہے،

ان آیات میں جہاں ان جانوروں سے کام لینے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، وہیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے کہ جن جانوروں کے تم مالک بن بیٹھے ہو حقیقتاً وہ تمھاری ملک نہیں، بلکہ خدا کی ملک ہیں، اس لیے کہ ان کی تخلیق اس نے کی ہے، اور تمھارا مالک بن بیٹھنا بھی اس کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے، اگر وہ ان کو تمھارا تابعدار نہ بناتا تو ایک ضعیف البنیان انسان کی یہ مجال تھی کہ وہ بڑے بڑے عظیم الجثہ اور قوی ہیکل جانوروں کو اپنے قبضہ میں کر لیتا، یہ تمھارے پروردگار کی مہربانی اور شفقت ہے، ان ربکم لرؤف رحیم

ان آیات میں قرآن نے دو حقیقتیں واضح کی ہیں، ایک یہ کہ جو جانور تمھاری ملک میں آگئے ہیں وہ خدا کی مہربانی اور عنایت ہے، اس لیے تم کو ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جو ایک امین امانت کے ساتھ کرتا ہے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سواری پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو "سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین" تاکہ تمھارے ذہن میں خدا کے اس احسان کا احساس تازہ رہے،

دوسری یہ کہ جس طرح تمھاری تخلیق خدا نے کی ہے، اسی طرح ان کی تخلیق بھی اس کی قدرت

کی کرشمہ سازی ہے، اس لیے مخلوق خدا ہونے کی حیثیت سے تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں،

وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم

زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور ہوا میں اڑنے والا ہر چڑیا جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتی ہے تمھاری ہی طرح ایک ایک امت ہیں۔

قرآن کی اس آیت میں محض ایک اخلاقی تعلیم ہی نہیں دی گئی ہے، بلکہ یہ ایک قانونی دفعہ بھی ہے؛ ایک بار حضرت عبید اللہ حضرت عبد اللہ بن بشیر کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، اور اس کو کوڑا مارتا ہے، اس کے متعلق آپ کو کوئی ارشاد نبوی معلوم ہے؟ بولے نہیں، اندر سے ایک خاتون بولیں کہ خود خدا کہتا ہے[1]: وما من دابۃٍ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم. یعنی ایسے موقع پر ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ جو سلوک روا رکھتا ہے وہی اس جانور کے ساتھ بھی رکھنا چاہیے.

اس آیت کی توضیح ایک حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ

لولا الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا[2]

اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دیدیتا،

اس طرح اسلام میں بلا وجہ کتے تک کو مار ڈالنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی خدا کی مخلوق ہیں اور ہماری طرح ایک امت ہیں، بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے خدا نے ایک شخص کو بخش دیا، کسی نے آپ سے پوچھا کہ جانوروں کے ساتھ بھی سلوک کرنے میں اجر و ثواب ہے، فرمایا کہ ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنا موجب ثواب ہے، تو پھر ان جانوروں کا جن کو خدا نے انسان کی زینت اور رونق اور اس کے بے شمار فائدے کے لیے پیدا کیا ہے

[1] اسد الغابۃ تذکرہ عبد اللہ بن بشیر [2] تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۰۹ بحوالہ ترمذی، ابو داؤد

کتنا حق ہوگا، اور ان کے ساتھ سلوک کرنے میں کیا اجر نہ ہوگا،

مذکورۂ بالا آیات کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان محنت کش جانوروں کے جن سے ہم کسی طرح کا کام لیتے ہیں یا ان سے غذا یا لباس کا فائدہ اٹھاتے ہیں، حسب ذیل حقوق مقرر فرمائے ہیں،

۱۔ جو جانور جس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، ان سے وہی کام لینا چاہیے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر سوار ہوا اور اس نے اس کو مارا تو بیل نے مڑکر کہا کہ میں اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں[1]، صرف کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، پھر آپ نے فرمایا کہ جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے ان کو تمہارا فرماں بردار صرف اس لیے بنایا ہے کہ وہ تم کو ایسے مقامات پر پہنچا دیں جہاں تم بڑی مشقت سے پہنچ سکتے ہو،

اس حدیث کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ بلا ضرورت سواری پر بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے، اس سے جانور کو بلا ضرورت تکلیف ہوتی ہے، دوسرے جتنی دیر سفر کرنا ہے اتنی ہی دیر اس کی پیٹھ کو استعمال کیا جائے، اس کے بعد اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو ایک جاندار کے ساتھ کیا جاتا ہے، سواری لکڑی، پتھر کا تخت اور چبوترہ نہیں ہے کہ اس کو استعمال کرنے کے بعد پھر اس کے غذا اور دیکھ بھال کی ضرورت نہیں رہتی،

۲۔ جس طرح آدمی کام کرنے کے بعد تھک جاتا ہے اور اس کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح حیوان بھی تھکتے ہیں، اور ان کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے، آدمی کے پاس زبان ہے

---

[1] بخاری باب استعمال البقر للحراثۃ اور مسند ج ۲ ص ۲۴۵، اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گھوڑے اور بیل کو مطلقاً دوسرے کام میں نہ لانا چاہیے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، آپ کے فرمانے کا مقصود یہ ہے کہ خالق فطرت نے جس کام کے لیے انکو پیدا کیا ہے یا عام طور پر ان سے جو کام لیے جاتے ہیں وہی کام لیے جائیں، اسکے خلاف کرنے سے نظام میں خرابی پیدا ہوگی [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الوقوف علی الدابۃ

اس لیے وہ اس کا اظہار کر دیتا ہے، مگر جانور بے زبان ہیں، اسلیے انکے آرام و آسائش کا خود خیال رکھنا چاہیے، ایک بار آپ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، فرمایا، بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو وہ اچھی حالت میں ہوں[1] یعنی سوار ہونے سے پہلے انھیں اچھی طرح کھلا پلا لو، یہ بھی دیکھ لو کہ وہ بیمار تو نہیں ہیں، انکے اعضا صاف ستھرے ہیں یا نہیں، یہ محض ایک اخلاقی تعلیم نہیں، بلکہ ایک قانونی دفعہ ہے، اسی لیے کہ آپ نے حکماً فرمایا ہے کہ

فارکبوھا صالحۃ — ان پر اچھی حالت میں سواری کرو،

ایک انصاری اپنے اونٹ سے کام زیادہ لیتے تھے اور چارہ کا خیال کم رکھتے تھے، آپ نے ان کو بلا کر یہ تنبیہ فرمائی۔

افلا تتقی اللہ فی ھذہ البھیمۃ — اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرتے نہیں

التی ملکک اللہ ایاھا، انک — کہ اس نے اپنے فضل سے اس کو تمہارا محکوم بنایا

تجیعہ وتدئبہ — ہے، اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور بھوکا رکھتے ہو[2]

آپ نے فرمایا کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی اور شادابی سے فائدہ پہنچاؤ، اور جب قحط کے زمانہ (بنجر علاقہ میں) میں سفر کرو تو اسکو تیزی کے ساتھ چلاؤ[3] تاکہ راستہ میں اسے چارہ کی کمی کی جو تکلیف ہوتی ہے، اس سے وہ جلد بچایا جائے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک صحابہ کا اسوہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جب منزل پر اترتے تھے تو نماز پڑھنے سے پہلے سواریوں کا کجاوہ کھول دیتے تھے، اس اسوہ کی روشنی

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد [2] سیرۃ النبی ج ۵ ص ۴۴۳ [3] ایضاً

میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اپنے کھانے سے پہلے سواریوں کے کھانے کا انتظام کرنا چاہیئے[1]،

۳۔ جانوروں کو ہلکی پھلکی سزا دیجا سکتی ہے، مگر منہ پر مارنے اور ان کو داغ دینے کی ممانعت ہے، ایسے شخص کو آپ نے ملعون قرار دیا ہے[2]،

البتہ اگر کسی مذہبی یا تمدنی مصلحت کے تحت داغنے کی ضرورت ہو تو اسکی اجازت ہے،

۴۔ جانوروں کو باہم لڑایا نہ جائے آپ نے اس سے منع فرمایا ہے[3]،

۵۔ جس طرح انسان کو گالی دینا اور ملعون و مردود قرار دینا منع ہے، اسی طرح جانوروں کو بھی ملعون و مردود نہ کہنا چاہیئے،

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے کسی عورت نے اپنے جانور کو لعنت ملامت کی، آپ نے سنا تو فرمایا کہ یہ لعنت کس نے کی ہے، لوگوں نے بتلایا کہ فلاں عورت نے اپنی سواری کو لعنت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ سواری کا کجاوہ اتار دو، خود اس نے لعنت کا کام کیا ہے۔

قانونی حیثیت ان احکام کی حیثیت محض اخلاقی تعلیم کی نہیں بلکہ قانونی بھی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں جو طرز خطاب اور طریقہ تعبیر اختیار فرمایا ہے، اس سے ان کی اخلاقی حیثیت کے ساتھ قانونی حیثیت بھی واضح ہوتی ہے، کیونکہ ان ہدایات میں ہر موقع پر امر کا صیغہ یعنی حکم دینے والا لفظ استعمال ہوا ہے جو اس کی قانونی حیثیت کو واضح کرتا ہے، قانونی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ اس بارے میں اگر جانوروں کے ساتھ کوئی زیادتی ہو تو حکومت اسکا سدباب کرے،

اس بارے میں امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ حکومت بطور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جانوروں کے مالکوں کے لیے چارہ کا انتظام کرے، اور جانوروں کو آرام پہنچانے کا حکم دے اور کہے کہ ان پر کوئی جبر نہ کرے،

---

[1] معالم السنن للخطابی [2] ابوداؤد [3] ایضاً

مگر ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل متفقہ طور پر فرماتے ہیں،

له ان يجبر على نفقتها او بيعها

حاکم اس کو مجبور کرے کہ وہ اس کو چارہ دے یا پھر بیچ ڈالے

امام مالک اور امام احمد تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ

انه يمنع من حملها ما لا تطيق

اگر کوئی شخص جانور سے اسکی استطاعت سے زیادہ کام لیتا یا اس پر بوجھ لادتا ہے تو حاکم کو اس سے روک دینا چاہیے،

اس کی قانونی حیثیت پر ائمۂ فقہ کے اس متفقہ اصول سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور پر سوار ہو کر جا رہا ہے، اور وہ جانور راستہ میں کوئی نقصان کر دے اور وہ نقصان اس کے پیر یا دم کے ذریعہ نہ ہوا ہو تو اس کی ذمہ داری سوار پر ہوگی، ظاہر ہے کہ جب جانور کا مالک اس کے اس نقصان کا ذمہ دار ہے جو اس کے کسی حصۂ جسم کے ذریعہ ہو تو پھر خود اس پر زیادتی سے اس کے جسم و جان کو جو نقصان پہنچے گا، اس کا یہ ذمہ دار کیوں نہ قرار دیا جائے۔

اطلاع برائے خریداران معارف

ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے خریداران معارف کی خدمت میں عرض ہے کہ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل مشکل ہوگی

منیجر

عربی شاعری میں مولانا جامی کا حصہ

از جناب غلام مرتضیٰ صاحب لکچرار شعبۂ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی

دنیائے علم و ادب میں مولانا جامی کی شخصیت ایسی نمایاں ہے جو محتاج بیان نہیں، انکی مثنویوں بالخصوص یوسف زلیخا اور غزلیات کی وجہ سے فارسی ادب کے دلدادہ ہمیشہ ان کا نام عزت و احترام سے لیتے رہیں گے، لیکن ان کے قدر دانوں میں بھی ایسے لوگ کم ہوں گے جو اس حقیقت سے آشنا ہوں کہ جس طرح مولانا فارسی میں اپنی گوناگوں تصنیفات اور مختلف اصناف شاعری میں جامعیت کی صفت سے متصف تھے، اسی طرح عربی کی نظم و نثر میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی،

قدماء کے دور میں جب کہ ایران پر عربوں کا تسلط و اقتدار تھا، فارسی شعراء کے کلام میں بقول علامہ شبلی عربی جملے اور امثال و محاورات اس کثرت سے پائے جاتے تھے کہ اگر ان کو جمع کر لیا جائے تو ایک دفتر بن جائے، مگر جوں جوں ایران کو خود مختاری اور اقتدار حاصل ہوتا گیا، فارسی شاعری عربیت سے آزاد ہوتی گئی، اور بالآخر اس کی ایک مستقل زبان بن گئی، چنانچہ شاہنامۂ فردوسی میں عربی کے بہت کم الفاظ ملتے ہیں، گو فردوسی نے عرب دشمنی کی وجہ سے عربی کے مشہور اور عام فہم الفاظ کو بھی چھوڑ کر ان کی جگہ فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کے بعد متوسطین اور متاخرین کے یہاں ایسی خالص فارسی ملتی ہے جو اپنی شیرینی و لطافت اور ترنم و سلاست کے لیے ضرب المثل ہے، اسلیئے اردو کے وہ مسلم الثبوت شعرا بھی جن کو فارسی پر

دسترس حاصل تھی، ہمیشہ فارسی کو اردو پر ترجیح دیتے رہے ہیں، چنانچہ غالب کہتے ہیں،

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

علامہ اقبال اسرار خودی کی تمہید میں فرماتے ہیں

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است طرز گفتار دری شیریں تر است

گو فارسی شعراء کو ایک مستقل زبان ہاتھ آگئی تھی، پھر بھی ان میں ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنے اظہار کمال کے لیے عربی زبان میں بھی اشعار کہے، جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ایسے ذواللسانین شعرا (Bi-lingual poets) میں مولانا جامی، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، امیر خسرو اور عراقی وغیرہ ہیں، کلیات عراقی میں تو پوری پوری غزلیں عربی میں ملتی ہیں ان شعرا کے عربی کلام کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے بہت دلچسپ ہے، جو عربی شاعری کا اثر فارسی شاعری میں دیکھنا چاہتے ہیں، یا جو عربی کلاسکی لٹریچر کے بعد کی شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ ان شعراء کو عربی شاعری میں کوئی ممتاز مقام حاصل تھا، یا عربی کے بڑے شاعروں سے ان کا مقابلہ کیا جائے، ان کا اصلی میدان تو فارسی شاعری ہے لیکن کبھی کبھی وہ اظہار کمال یا تفنن طبع کی خاطر عربی میں بھی زور قلم دکھاتے تھے،

مولانا جامی کے عربی کلام پر بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عربی تعلیم اور دیگر عربی تصنیفات پر مختصر روشنی ڈال دی جائے، مولانا کے خاندان میں علم موروثی تھا، ان کے باپ اور دادا دونوں اپنے زمانہ کے مشاہیر علما اور اہل تقوی میں تھے، ان کے والد نے ان کو سب سے پہلے قرآن شریف حفظ کرایا، پھر خود عربی کی صرف و نحو پڑھائی، اس کے بعد مدرسۂ نظامیہ میں داخل کرا دیا، وہاں انھوں نے مولانا جنید اصولی سے جو کہ عربی کے مشہور عالم تھے، تلخیص المفتاح پڑھنی شروع کی، اسی زمانے میں ان کے حلقۂ درس میں مستعد طلبہ کی ایک جماعت مطول پڑھتی تھی،

مولانا اس کے باوجود کہ بہت کم عمر تھے، مطول کے مطالب اچھی طرح سمجھ لیتے تھے، اس لیے اسی جماعت کے ساتھ وہ بھی شریک ہوگئے اور مطول بھی پڑھ لی، معانی وبیان پڑھنے کے بعد سمرقند جو اس وقت علما و فضلاء کا مرکز تھا، تکمیل علوم کے لیے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچکر خواجہ علی سمرقندی سے جو علامہ سید شریف جرجانی کے شاگرد رشید اور نامور محقق تھے، علوم عقلیہ پڑھے، اس کے بعد علامہ تفتازانی کے ممتاز شاگرد مولانا شہاب الدین سے پڑھنا شروع کیا،[1]

اس زمانہ میں قاضی روم سمرقند کے مشاہیر علماء میں تھے، فن ہیئت میں ان کو خاص کمال تھا، مولانا ان کی خدمت میں شرح تذکرہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے۔ پہلی ہی ملاقات میں کسی مسئلے کے متعلق قاضی صاحب سے بحث ہوگئی اور ان کو مولانا کا قول تسلیم کرنا پڑا،

مولانا علی قوشجی جو فن ہیئت کے بڑے عالم اور مشہور مصنف گزرے ہیں، ان کے حلقۂ درس میں بھی مولانا شریک ہوئے، اور چند ہی دنوں کے بعد خود علامہ قوشجی اپنی تمام مشکلات ان سے حل کرنے لگے، ان کے درس میں طلبہ جو اعتراضات کرتے تھے، سب کا جواب مولانا جامی دیتے تھے اور جو اعتراضات وہ خود کرتے تھے، ان کا جواب اور کسی سے بن نہ پڑتا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کو شروع ہی سے قدرت نے ایسا ذہن رسا عطا کیا تھا کہ تھوڑی ہی مدت میں نہ صرف ظاہری علوم میں باکمال اساتذہ پر سبقت لے گئے، بلکہ علوم باطنی اور معرفت میں اپنے زمانہ کے اکابر صوفیہ میں شمار ہوئے، اسی بادۂ عرفان کا اثر تھا کہ مولانا نے عربی زبان کے صوفی شاعر عمر بن الفارض کے قصیدۂ تائیہ کی شرح لکھی، جو نظم ورر کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح ایک اور قصیدہ میمیہ خمریہ کی جس میں شراب معرفت کی تعریف بیان کی گئی ہے شرح کی، جو لوامع کے نام سے مشہور ہے، اس قصیدہ کے بعض اشعار مولانا کو اس قدر پسند آئے کہ ان کو فارسی کا جامہ

[1] حیات جامی ص ۴، ۵

پہنا کر اپنی فارسی غزلیات میں جگہ دی، مثلاً مولانا کا یہ شعر

بودم آں روز من از طائفۂ دردکشاں ... کہ از تاک نشاں بود و نہ از تاک نشاں

عمر بن الفارض کے اس شعر سے ماخوذ ہے،

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃً ... سکرنا بہا من قبل ان یخلق الکرم

اسی طرح ایک دوسرا شعر

گفتم جاں ضعیف کہ بے نالۂ د فغاں ... ظاہر نمی شود کہ دریں پیرہن یکے است

غالباً عربی شاعر متنبی کے اس شعر سے لیا گیا ہے،

کفی بجسمی نحولا اننی رجل ... لولا مخاطبتی ایاک لم ترنی[1]

اسی مضمون کو متاخرین شعراء میں سے ایک نے اور ترقی دیکر غلو کی حد میں داخل کر دیا،

تنم از ضعف چناں شد کہ اجل جست و نیافت ... نالہ ہر چند نشاں داد کہ در پیرہن است

مولانا کی عربی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور الفوائد الضیائیہ فی شرح الکافیہ ہے جو عام طور پر شرح ملا جامی کے نام سے مشہور ہے، مولانا نے علامہ ابن حاجب کی کتاب کافیہ کی یہ شرح اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھی تھی، علم نحو میں کافیہ ایسی مقبول اور مستند کتاب ہے، کہ عربی و فارسی میں اس کی پچاسوں شرحیں لکھی گئیں، لیکن ان سب میں شرح جامی ہی کو یہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ وہ اکثر اسلامی ممالک کے نصاب تعلیم میں داخل کرلی گئی، یہ کتاب مولانا کے علم و فضل کی بڑی زبردست دلیل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مختلف علما نے خود شرح جامی پر مبسوط حاشیے لکھے، جن میں سے مولانا عبد الغفور، ملا جلال، محرم آفندی، سید نعمت اللہ، اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

[1] تاریخ ادبیات ایران از براؤن جلد سوم ص ۵۴۰

۲۔ تفسیر فاتحۃ الکتاب۔ علامہ ابن عربی اور شیخ صدر الدین قونیوی کی طرح مولانا نے بھی جو ان ہی بزرگوں کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، عربی زبان میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی۔

۳۔ مناسک الحج۔ جب حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، تو قیام بغداد کے زمانے میں اس کے ارکان و مناسک پر یہ رسالہ لکھا، اور چاروں اماموں میں جو اختلافات ہیں وہ بھی بیان کیے، کشف الظنون میں اس رسالے کا مناسک الجامی کے نام سے ذکر کیا گیا ہے،

۴۔ نقد النصوص۔ حضرت شیخ ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم سے انتخاب کرکے ایک مختصر رسالہ نقش الفصوص ترتیب دیا تھا، مولانا نے نقد النصوص کے نام سے عربی میں اس کی شرح لکھی جو طبع ہو چکی ہے،

۵۔ رسالہ وجودیہ۔ اثبات واجب الوجود کے مسئلے پر یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا،

ان تصانیف کے بعد یہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ عربی زبان میں مولانا کی اب کوئی تصنیف باقی نہیں رہی، مولانا نے اس کثرت سے دونوں زبانوں میں مختلف علوم و فنون پر کتابیں اور رسالے لکھے کہ ان کی تعداد میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہو گیا، بعض نے ان کی تعداد ۴۴ بتائی ہے، تذکرۂ داغستانی میں جامی کے عدد کے برابر یعنی ۵۴ اور بعض دوسرے مصنفین نے ۹۹ بتلائی ہے،[1] اور معلوم الاسم کتابوں میں بھی بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی زبان اور نفس موضوع اب تک متعین نہ ہو سکا،

اب ہم مولانا کے کلیات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ سے ان اشعار کا انتخاب پیش کرتے ہیں جن سے مولانا کی عربی شاعری اور عربی مذاق کا پتہ چلتا ہے، اکثر اشعار میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے بعض الفاظ غلط چھپ گئے ہیں، جن کو دیوان جامی مطبوعۂ ایران سے مقابلہ کرکے صحیح کر لیا گیا ہے، بعض عربی الفاظ کی غلطیوں کی اصلاح جو دونوں میں موجود ہیں، لغت کے ذریعہ کر دی گئی ہے،

---

[1] تذکرۂ مرأۃ الخیال ص ۷۲،

صورت کے خیال سے مولانا کی عربی شاعری چند قسموں میں منقسم کی جا سکتی ہے،

۱۔ پہلی قسم میں وہ اشعار ہیں جو پورے کے پورے عربی زبان میں کہے گئے ہیں، مثلاً

بسم اللہ الرحمن الرحیم اعظم اسماء علیم حکیم

لیس کلامی یفی بنعت کمالہ صل الٰہی علی النبی وآلہ

سلام علی آل طٰہٰ ویٰس سلام علی آل خیر النبیین

سلام علی روضۃٍ حل فیہا امام یباھی بہ الملک والدین

جزاک الذی عم جوداً وبرّاً وارضاک عنا وصلی وسلم

ایا حادی العیش باللہ شمر بقطع الفیافی وطیّ السباسب

سلام من اللہ مولی العوارف سلام من اللہ معطی المواھب

علی روضۃ حلّ فیہا حبیب رفیع المدارج سنی المراتب

ایہا الساقی ادر کاس الصبوح ہات مفتاحاً لابواب الفتوح

کل ما فی الکون وھم او خیال او عکوس فی المرایا او ظلال

لاح فی ظل السوی شمس الھدی لا تکن حیران فی تیہ الخیال

حبیبی راحل والقلب ھائل وروحی ذاھب والدمع سائل

کنا شئون ذاتک فی وحدۃ البطون صرنا سواک حیث تقلبت فی الشئون

یشھد اللہ اینما تبدو انہ لا الٰہ الا ھو

فھو ناجٍ کما ھو المبتغی وھو راج کما ھو المرجو

سلام اللہ ما ناحت حمامہ لفقد الالف او جادت غمامہ

علی اکناف واد فیہ حلّت سعاد بالسعادۃ والسلامہ

فداءک یا غراب البین روحی   فان سعاد قد هویت بعادی

خیالک مونسی فی کل وادی   ووصلک مقصدی فی کل نادی

ارید بسط غرامی الیک بعد سلامی   ولیس کل کلامی یفی ببعض غرامی

من از دیارک قد عاقنی تفرق بالی   انت صحیفة شوقی تقوم فیه مقامی

تروم فرش جفونی اذا قدمت مناماً   وکیف افرشها وهی بالدموع دوامی

کل وقت اری محیاه   لیس الا اعزا وقاتی

کل حال اذوق بلواه   لیس الا اجل حالاتی

۲- دوسری قسم ان اشعار کی ہے جن میں ایک مصرعہ فارسی زبان میں دوسرا عربی میں، اس صنعت کو صنعت تلمیع اور ایسے اشعار کو ملمع کہتے ہیں، ان ملمعات کی تعداد مولانا کے کلام میں بہت زیادہ ہے، ذیل میں منتخب اشعار پیش کیے جاتے ہیں،

سبحان من تحیر فی ذاته سواه   فہم خرد بکنہ کمالش نبرد راه

ابشروا اذ لاح من نجد مقامات السرور   منزل سلمیٰ وا طلالش نمایاں شد زدور

بر درش جامی چہ خرسندی دہیکرہ طواف   ما تسلینا ولو طفنا الی یوم النشور

جگر تشنگانیم از رہ رسیدہ   ترحم علینا بماءٍ ترحّم

اصبحت زائراً لک یا شحنة النجف   بہر نثار مقدم تو نقد جان بکف

گردے بدیدہ رفت و بجیب صبا نہفت   اهدنی الی احبتہ اشرف التحف

یکے خواں یکے داں یکے گو یکے جو   سوی اللہ واللہ زور و باطل

بہ حقیقت کشد شعر جامی   فیا خیر قول ویا شر قائل

پائے از سر سازم و کرسی ز زانو یش نہم   پائے بر کسی لکی ارتقی الی روض العلا

ملکے از نور و ظلم برتر کہ ہر کانجا رسید   گفت لیس عند ربی لا صباح لا مسا

ہم جہاں را خواجہ ہم فقر را دیباچہ   قلت سر الفقه لکن تحت استار الفنا

ایں مقام خوش کہ می بخشد نسیم وصل یار   خیر دار حل فیها خیر ارباب الدیار

یا من بدا جمالک فی کل ما بدا   بادا ہزار جان مقدس بتو فدا

حرز جانہا است نام دلبرا   ما اعز اسمہ وما اعلیٰ

لا اریٰ فی الوجود الا هو   محو شد نام غیر و نقش سوا

ہستی مطلق است وحدت صرف   این هو این انت این انا

تجلی الراح من کاس تصفی الروح فاقبلها   کہ می بخشد صفاے مے فروغ خلوت دلہا

املنی جرعة منها ارحنی ساعة عنی   کہ ماند از ظلمت ہستی درون پردہ مشکلہا

صفاے جام مے جامی برد زنگ غم از خاطر   اذا ما تلق من هم فخا ولها ونا ولها

نسیم الصبح زر منی ربی نجد وقبلها   کہ بوے دوست می آید ازاں پاکیزہ منزلہا

رسید اینک زرہ سلمیٰ و من از ضعف تن زینسان   فخذ یا صاح روحی تحفة منی واقبلها

زجور دور غم فرجام جامی قصد ہا دارد   ولکن خوف املال الندامی لم یطولها

احن شوقاً الی دیار لقیت فیها جمال سلمیٰ   کہ می رساند ازان نواحی نوید لطفے بجانب ما

زہے جمال تو قبلۂ جاں حریم کوے تو کعبۂ دل   فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ

بکت عیونی علیٰ شئونی فساء حالی ولا ابالی   کہ دانم آخر طبیب وصلت مریض خود را کند مداوا

نیا گفتی فلاں کجائی چہ بود حالت دریں جدائی   مرضت شوقاً ومت هجراً فکیف اشکو الیک شکوا

اسرار نے ار فہم کنی جملہ سماعت   لا یمکن ان یدرکها العقل قیاسا

تا صاف نشد جامی از اوصاف من وما   ما صادف من راح مصافاتک کاسا

شرف کعبہ بود کوئے ترا　　زادھا اللہ تعالےٰ شرفا
داشت در بیت حزن جامی جا　　جاء نا منک بشیر فنجا

خلیلی لا تحت لنا دور سلمیٰ　　نشانہائے سلمیٰ شد از دور پیدا

ایں قالب فرسودہ گر از کوئے تو دور است　　القلب علی بابک لیلا و نہارا
گر ہست چو مجمر نفسم گرم عجب نیست　　از حبک قد اوقد فی قلبی نارا

جامی آخر بسر زلف تو زد دست امید　　خصہ اللہ تعالیٰ بمزید الزلفیٰ

بقعۂ خیر ما است گوشۂ دیر　　لیس فی الکائنات ثانیھا
عیش جامی در و مدام خوش است　　طیب اللہ عیش بانیھا

لب لعل تو کام اہل وفا　　لعلیل الفراق فیہ شفا
یاری کس نخواہم اندر عشق　　حسبی اللہ وحدہٗ وکفیٰ
جرم جامی ہوائے خوبانست　　غفر اللہ ذنبہٗ وعفیٰ

عمرے زغمت بودم با خاطر خوش جانا　　ودعت واودعت فی الخاطر اشجانا
گفتم کہ بہ ہجر از دل شوق تو شود زائل　　فی الھجر مضیٰ عمری والشوق کما کانا
شد در قدح صہبا عکسے ز رخت پیدا　　قد اشرقت الدنیا من کاس حمیانا[1]

زد بر فنا خوش قدش رہ ما　　رفع اللہ قدرہٗ ابدا
تو ہمائی و نیست ظل ہما　　جز دو زلف تو دام ظلھما[2]

[1] ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم　　اے بے خبر زلذت شرب مدام ما (حافظ)

[2] مولانا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے متجانس الفاظ استعمال کرتے ہیں، جسے صنعت تجنیس تام کہتے ہیں، شاعری میں اس کا جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر پوشیدہ نہیں۔

من تاب نیاردم از تو توبہ　　من تاب من الحبیب ما طاب

با دہانت درمیاں دارد دلم سرے نہاں　　لیس یدری سر قلبی غیر علام الغیوب
گفت با مجنوں کسے کاے در گناہ عشق غرق　　تب الیٰ مولی جمیل لعفو غفار الذنوب
گفت مجنوں کز ہوائے عشق لیلیٰ می کنم　　توبۃ اما من ھوی لیلی فانی لا اتوب

عمر شیریں عیش خوش از دولت وصل تو بود　　لا بقائی بعدہ یحلو ولا عیشی یطیب

بندہ جامی را بمسکینان ایں درگاہ بخش　　استجب ھذا الدعا فی شانہ یا مستجیب

بد ابرق بطحاء والدمع ساکب　　زہے عشق مستولی و شوق غالب

اشکہا من از عقیق یمن می دہد نشاں　　منذ خیمت سعاد علیٰ ایمن العذیب

جہاں مرآت حسن شاہد ما است　　فشاھد وجھہ فی کل ذرات
مزن بیہودہ لاف عشق جامی　　فان العاشقین لھم علامات

مُرد جامی بسر تربت او بنویسید　　ھذہ روضۃ من حل بہ العشق فمات

بر درت جا کنند اہل نجات　　رفع اللہ قدرھم درجات
ہر کہ دارد وقوف ایں سر کو　　زھد فی الوقوف فی العرفات
خط سبز تو زیر سایۂ زلف　　خضر حام حولہ ظلمات
توبہ کردی شراب خور جامی　　اتبع السیئات بالحسنات

اے درت کعبۂ ارباب نجات　　قبلتی وجھک فی کل صلوٰۃ
عمر عشاق تو آخر نشود　　انزل اللہ علیھم برکات
جامی از درد تو جاں داد و نگفت　　فھو ممن کتم العشق فمات

کردم نماز در خم محراب ابروت　　قرت بنور وجھک عینای فی الصلوٰۃ

پرتو جامست یا عکس مدام — ام بریق البرق ام بدر یلوح
نکہت گل یا نسیم سنبل است — ام شمیم الراح ام مسک یفوح
رفتی و گفتی بہ ہجراں دہ رضا — انت روحی کیف ارضی ان تروح
از لبت شور ما خوش است آرے — کل شیٔ من الملیح ملیح
کار نیک از رقیب چون آید — کل فعل من القبیح قبیح

سرمایۂ شراب بہ باشد شراب لعل — یا معشر الاحبة حیوا علی الفلاح
اقداح راح راحت روح تو کے شود — ان لم تکن تناولها من ید الملاح

چیست می دانی صدائے چنگ و عود — انت حسبی انت کافی یا ودود

جامی شکر لبان سمرقند راشدی — از جان مرید تست فی اللہ ما ترید

شد بزلفت دل شکستہ اسیر — رب سہل علیہ کل عسیر

بگوش شیخ نعرۂ مستاں بود گراں — لیت الزماں تفرغ فی اذنہ الرصاص
جامی بقید حلقۂ آں زلف سر بنہ — اذ لا خلاص منہ بحال ولا مناص

رفتم بعزم رخصت پابوس دوست گفت — یا صاحب العزیمة ایاک والرخص،

گرفت ربع و دمن سیل تا بکے گریم — علی لوامع برق من الحمیٰ یلمح

بادہ صاف و محتسب بادہ نوشاں در مصاف — یا غیاث المستغیثین نجنا مما نخاف

ز ہجراں برلب آمد جان غمناک — الا یا لیت شعری این القاک
بہر جمعیت وصل تو جویم — لعل اللہ یجمعنی و ایاک
نعیم خلد اگر گردد میسر — لعمری لا یطیب العیش لولاک

گر بود شوہ جہاں ہمہ از منظراں — واللہ لست انظر طوعا الی سواک

کساں را مہر دل از دیدہ خیزد — وقلبی کان قبل العین یہواک
عنان عزم ہر سوئے کہ تابی — سوی قلب المتیم لیس ماواک

ز حسرت با در و دیوار گویم — الا یا ربع سلمی این سلماک

فاح ریح الصبا و صاح الدیک — بادہ در دہ کہ صبح شد نزدیک
جامی از حیرت تو رہ گم کرد — یا دلیلا لمن تحیر فیک

بانگ خواہم زد کہ اے دربردۂ عزت مقیم — کم تواری فی قباب العز حتی لا نراک

بر آب چشم می خندی آرے — المزن یبکی والورد یضحک

ز دو شکر خندہ لعلت بر دل ریشم نمک — یا غزال الحی یا ظبی الحمیٰ ما املحک
قدش طوبیٰ بود جامی اگر بر باد او فردا — کنی در پائے طوبی جا فطوبیٰ ثم طوبیٰ لک

جاں می دہم بیاد و غمت می برم بخاک — طوبیٰ لمن یموت وفی قلبہ ہواک

خدائے در دو جہاں ہست جاوداں جامی — وما سواہ خیال مزخرف باطل

غیر از تو کیست مقصد جامی و مطلبش — یا مقصدی ہلم و یا مطلبی تعال

دل بزمیں بوس درت شد مشتغل — وفقہ اللہ لخیر العمل
جامی دارد امید سر زلف تو — گفتمش ایاک و طول الامل

گرچہ گشتم بہ تیغ ہجر قتیل — لیس قلبی الی سواک یمیل
ہمہ چیزے بود جمیل از تو — لیک الصبر عنک غیر جمیل
دل جامی بفکر نرگس تست — کل راع من العلیل علیل

قصد تو غایت جور است و جفا با چو منے — غیر ہذا ابک یا غایة قصدی اجمل

الا یا باد شبگیرے گذر کن — علی تلک المنازل والمراحل

مستے زد ایں ترانہ جو آواز چنگ و دف — یا طالب الوصول تجرد لکی تصل

ساری است سر عشق در اعیان علی الدوام — کالبدر فی الدجنّة[ل] والشمس فی الغمام

صبر کم و محنت و اندوہ پر — کم صبروا لعاشق فی الھجر کم
گفتۂ جامی کہ بتحسیں سزاست — حسّنہ اللہ بطیب النعم

زبسے رسیدہ ترا ہر دم از خدائے پیام — علیک الف صلوٰة والف الف سلام

اے برخت ہر نفس مہر دل ما فزوں — وجھک شمس الضحیٰ نحن لہ عابدون

آن کان حسن بود و نبود از جہاں نشاں — والآن ما عرفت علیٰ ما علیہ کان

اعداد کون کثرت صورت نمائے است — فالکل واحد یتجلی بکل شان

صوفی چہ فغان است کہ من این الی این — این نکتہ عیانست من العلم الی العین

جامی مکن اندیشہ ز نزدیکی و دوری — لا قرب ولا بعد ولا وصل ولا بین

ز ہر سو بد اندر روییت نکو — حماک اللہ اے دوست من کل سوء
دلا کام از لبش با چشم ترجو — والا لم تجد ما کنت ترجو

جامی حریم کوئے مغاں کعبۂ صفا است — طوبیٰ لساکنیہ وبشریٰ لزائریہ
کف جامی از جام خالی مبادا — اجب دعوتی یا ولی الاجابہ

فروغ روئے تو تاباں بود ز جعد مسلسل — کضوء لامع برق یلوح خلف غمامہ
ز آتش دل جامی علم بر چرخ کشیدی — فقد نصبت لسر الھوی علیہ علامہ
گوید نگار من چو از ہجراں کنم گلہ — ان تات ماشیا انا اتیک ھرولہ

ل کلیات اور دیوان دونوں میں دُجیة بمعنی ظلمت ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں مصرعہ غیر موزوں ہوجاتا ہے دُجُنّة بانون مشدد ہونا چاہیے جس کے معنی بھی ظلمت ہے۔

جامی بسعی خویش ز جاناں خبر نیافت — یا معشر الاحبة باللہ خبروہ

حلقہ از زلفش کشادہ باد سحرگاہ — اشرق شمس الضحیٰ بنور محیاہ
رمیدہ آں آہوئے مشکیں ز من آہ — نائی عنی غزال کنت اھواہ
زما بگریخت چوں مشکیں غزالے — الا یا لیت شعری این مرعاہ
ز خونیں اشک من دانند بردم — وان لم اشک مما کنت القاہ

صوفی تو خرقہ پوشی و ما رند جرعہ نوش — ما بیننا وبینک الا مباینہ

دلم شبہا کشد زاں دام زلف آہ — بھذا نال زلفی دام زلفاہ

اے زہمہ صورت خوب تو بہ — صورک اللہ علی صورتہ
صورت از آئینہ نباشد جدا — انت بہ متحد فانتبہ

شہود یار در اغیار مشرب جامی است — کدام غیر کہ لا شیٔ فی الوجود سواہ

نباید قصۂ دوری بپایاں — ولو قلنا الی یوم القیامہ
پشیماں شد ز لاف عشق جامی — ولکن لیس یجدیہ الندامہ

کشادہ از چہرۂ مشکیں برقع آں مہ — ارانی فیہ وجہ اللہ جہرہ

با خیالش من از میاں رفتم — صار منی خیالہ بدلا
حیرت عشق راہ عقلم زد — ارشدونی معاشر العقلا
چارۂ کار کہ داند ساخت — جز خدا عز شانہ و علا

چہ شد ز کوئے تو گر یک دو روز ماندم دور — لدیک روحی وقلبی الیک منقلبی
گذشت صبح وصال و رسید شام فراق — فعاد ھمی وحزنی وزاد فی تعبی

اساس عشق محکم گشت و بنیاد خرد ویراں — اغیثونی اخلائی اعیذونی احبائی

در شہود کمالِ حسنِ ازل — کل شیٔ اراہ مرآتی

خستۂ زخم عشقم اے ساقی — لا طبیب لہا ولا راقی

بادۂ غم زدا فگن در جام — انہ ریقتی وتریاقی

درد نوشاں چو درد من دیدند — حیث اجری الدموع آماقی

بسکہ راندند خون دل زمژہ — فاض اقدا احمر کاحداقی

شمۂ با تو گفتم و رفتم — قس علی ما سمعتہ الباقی

گر بمیرم در غمِ لیلیٰ خویش — یا کرام الحی لا تاسوا علیّ

اے کہ از لیلی ہمی گوئی نشاں — اینما صادفتہا ارسل الیّ

ہرچہ جز لیلی بروں کردم ز دل — لیس فی قلبی سوی لیلیٰ شیٔ

مرید توام زاں کہ جاں را مرادی — الیک استنادی علیک اعتمادی

لی حبیب عربیّ مدنیّ قرشی — کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی

گرچہ صد مرحلہ دور است ز پیش نظرم — وجہہ فی نظری کل غداةٍ وعشی

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آبِ حیات — ضاعف اللہ بہ کل زمانٍ عطشی

بوصل دوست لطفش رہنموں گشت — ولکن عاقنی کید الاعادی

دلم صد پارہ و ہر پارہ صد داغ — فؤادی وا فؤادی وا فؤادی

وائے من وائے من ز عشق تو وائے — من جوی الحبّ من یحن سوائی

اے کہ جز قتل محباں ہنرے نشناسی — قم سریعاً وخذ السیف وہذا راسی

بسکہ با وحشت عشق تو دلم خوے گرفت — کلما اوحشنی زاد بہ استئناسی

قصۂ حلقۂ زلفت کہ عبیر افشان است — قد تنفست بہا قد عطرت انفاسی

از توام جز تو آرزوے نیست — انت مولی وانت ملتمسی

نفحات وصالک اوقدت جمرات شوقک فی الحشا[1] — ز غمت بسینہ کم آتشے کہ نزد زبانہ کما نشا

بتو داشت خو دل گشتہ خوں ز تو بود جانِ مرا سکوں — فہجرتنی فجعلتنی متحیرا متوحشا

دل من بعشق تو می نہد قدمِ وفا بر رہ طلب — فلئن سعی فبہ سعی ولئن مشیٰ فبہ مشیٰ

لاح برق یہیج الاشواق — تازہ شد درد عشق و داغِ فراق

من کہ و خندۂ نشاط اے صبح — خلّ عینی ودمعی المہراق

سر عشق از کتاب نتواں یافت — لیس تلک الرموز فی الاوراق

طال شوقی الیک یا مولائی — بنما آں رخ جہاں آرائے

لاف عشقت بے زنند ولے — لیس فی رتبة الخلوص سوائی

جان فرسودہ شد براہِ تو خاک — ومن القلب ما یزول ہواک

۳۔ تیسری قسم میں ایسے اشعار شامل ہیں جن میں مولانا نے آیات قرآنی تضمین کی ہیں، مولانا محمد حسین آزاد مولانا جامی کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں: "آیت یا حدیث یا عربی فقروں کو اپنے فارسی شعروں میں بہت فصاحت سے تضمین کرتے تھے"۔[2]

جہاں تک تضمین آیات کا تعلق ہے اس کے جواز میں فقہا میں اختلاف رائے ہے، امام مالکؒ اور ان کے مقلدین کے نزدیک بالکل حرام ہے، لیکن شوافع میں فقہائے متقدمین اور اکثر متاخرین نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، حالانکہ ان کے زمانے میں آیات کا اقتباس عام طور پر رائج تھا، اور جدید و قدیم شعرا اپنے کلام میں ان کا استعمال کرتے تھے، چنانچہ شیخ تاج الدین ابن السبکی نے

---

[1] یہ غزل کلیات جامی میں موجود نہیں، دیوان جامی مطبوعہ ایران کے دیباچہ میں آقائے محمد علی تربیت کی "تقویم تربیت" سال ۱۳۰۸ شمسی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ [2] نگارستان فارس ص ۹۳

اپنی طبقات میں امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی بغدادی کے تذکرہ میں ان کے یہ اشعار ذکر کیے ہیں جن میں دوسرے شعر کا دوسرا مصرع قرآن کی آیت ہے،

یامن عدی ثم اعتدی ثم اقترف   ثم انتھی ثم ارعوی ثم اعترف

ابشر بقول اللہ فی آیاتہ   ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف

بعض فقہا نے تضمین کی مختلف قسمیں کی ہیں، ان میں سے بعض کو مقبول اور بعض کو مردود قرار دیا ہے امام سیوطی کتاب الاتقان میں فرماتے ہیں[1]:

وقال الشرف اسماعیل بن المقری الیمنی صاحب مختصر الروضة فی شرح بدیعتہ مما کان منہ فی الخطب والمواعظ ومدحہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو فی النظم فھو مقبول وغیر مردود.

بہرحال مولانا جامی نے جو ایک صوفی صافی تھے، اپنے اشعار میں بلا تکلف قرآنی آیات تضمین کی ہیں، آیتوں کے یہ ٹکڑے گو عربی فقروں کی بہ نسبت کم ہیں، مگر جتنے بھی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹھی میں نگینے جڑ دیے گئے ہیں، بعض مقامات پر ضرورت شعری کی بنا پر ان میں قدرے تبدیلی بھی کردی گئی ہے، اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

تا بے ز عکس طلعت و تاب ز طرۂ ات   صبح[2] اذا تنفس لیل اذا غسق

دریاے امکان و قدم بودند و طغیانی بہم   اودرمیاں شد از کرم شد برزخ لا یبغیان[3]

چرخ و انجم جن و مردم ہر یک اینجا مضطر اند   اختیار رحمہ بیش من یجیب المضطر است[4]

جامی رہ ہدیٰ بخدا غیر عشق نیست   گفتیم والسلام علی تابع الہدیٰ[5]

[1] کتاب الاتقان، الجزء الاول ص ۱۳۱ و ہم ۱۱ [2] سورہ تکویر، رکوع ۱ [3] سورہ رحمٰن: ۱ [4] سورۃ النمل: ۵
[5] اصل عبارت یوں ہے والسلام علی من اتبع الہدیٰ سورہ طٰہٰ: ۲

شد بر قعۂ روئے چو مہت زلف شب آسا   سبحان قد یجعل اللیل لباسا[1]

شد فرش دیبا از سبزہ صحرا   ارسلہ معنا یرتع و یلعب

مثنوی یوسف زلیخا میں فرماتے ہیں:-

بکنج خانہ ماندہ روز تا شب   فارسلہ غدا یرتع و یلعب[2]

یار خطے کہ بر عذار نوشت   یولج اللیل فی النہار نوشت[3]

چشمت بہ غمزہ لب بہ شکر خندہ می کند   تفسیر آیت خلق الموت والحیوٰة[4]

طراز آستین دلق تجرید   وما توفیقی الا باللہ بس[5]

نقد عمر زاہداں در توبہ از مے شد تلف   قل لھم ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف[6]

دل شد مجاور آنجا کہ جامی   ھٰذا فراق بینی و بینک[7]

حق آفتاب و جہاں ہیچو سایہ است اے دل   اما رایت الی الرب کیف مد الظل[8]

لعل تو جاں بخش لا یبخل فیما یسئال   چشم خونریز تو لا یسأل عما یفعل[9]

ابرو و قد خوشت صورت نون والقلم   نقش خط دلکشت معنی ما یسطرون[10]

رویت طرف من النہار است   زلفت زلف من اللیالی[11]

منکر حشر را شود روشن   سر یحیی العظام وھی رمیم[12]

[1] اصل عبارت یوں ہے وجعلنا اللیل لباسا سورۃ النبأ: ۱ [2] سورہ یوسف: ۲ [3] سورہ الحدید: ۱، سورہ الحج: ۸، سورہ لقمن: ۳ [4] سورہ الملک: ۱ [5] وما توفیقی الا باللہ، سورہ ہود: ۸ [6] قرآن میں قل لھم کے بجائے قل للذین کفروا ہے، سورہ انفال: ۵ [7] سورۃ الکہف: ۱۰ [8] اصل عبارت یوں ہے الم تر الی ربک کیف مد الظل، سورہ فرقان: ۵ [9] سورہ الانبیاء: ۲ [10] نٓ والقلم وما یسطرون، سورہ القلم: ۱ [11] اصل عبارت ہے واقم الصلوٰة طرفی النہار و زلفا من اللیل، سورہ ہود: ۱۰ [12] سورۂ یٰسٓ: ۵

زہر طرف کہ در آمد کشادہ رخ آں ؟ مرا مشاہدہ شد سر فثمّ وجہ اللہ[1]

زقدش چوں درخت وادی طور شنیدم مژدۂ انی انا اللہ[2]

۴۔ بعض ایسے اشعار بھی ہیں، جن میں احادیث نبوی کے شہ پارے تضمین کیے گئے ہیں، انکی تعداد بہت کم ہے، مثلاً

می کند از ہر خطت منع ما بے خبر از نکتہ جف القلم[3]

بر رُخ عارفاں تو مفتاح گشتہ است ابواب کنت کنز بمفتاح من عرف[4]

مثنوی تحفۃ الاحرار میں ایک جگہ فرماتے ہیں

باطنت از نفس ہوا ممتلی چوں رسدت لذت الصوم لی

ہرچہ ازاں شرح بشارت دہ است از ہمہ حرف انا اجزی بہ است[5]

کلمینی یا حمیرا کردہ ورد ہالب شیریں آں شیریں مقال

نزول وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو گرانی اور تکان کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، اس کو دور کرنے کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو آپ اپنے قریب بلا لیتے اور ان سے گفتگو کی خواہش کرتے تھے، حُمیرا بمعنی سرخ چھوٹی لڑکی، اس سے مراد حضرت عائشہ ؓ ہیں،

۵۔ آخر میں ہم ان اشعار کا انتخاب پیش کرتے ہیں، جن میں مولانا نے عربی زبان کے حِکم اور امثال بیان کیے ہیں،

[1] سورہ بقرہ ۱۴۰، [2] سورۃ القصص ۱۹۰، [3] جف القلم بما انت لاق، مجمع بحار الانوار جلد اول [4] کنت کنزا مخفیاً فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق اور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ حدیثوں کی طرف اشارہ ہے، جو صوفیہ کے یہاں عام طور پر مشہور ہیں [5] الصوم لی و انا اجزی حدیث قدسی ہے، مجمع بحار الانوار جلد دوم ص ۲۸۳

زیں دو چشم خونفشاں افتاد راز دل بروں آرے آرے کل سرٍ جاوز الاثنین شاع[1]

چو حکم کل سرٍ جاوز الاثنین می دانی میاور بر لب آں سرّے کہ ناچار است کتمانش

صلائے بادہ زد پیر خرابات بیا ساقی کہ فی التاخیر آفات

خیر من خواہی مکن جا جز میان جان من جان من بشنیدہ ٔ لاخیر الا فی الوسط[2]

طالب صحبت رنداں شو و توفیق ادب از خدا خواہ کہ واللہ ولی التوفیق

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل المرأ لا یزال عدو لما جہل[3]

باغم و درد تو کنم دمبدم شکر کہ بالشکر تدوم النعم

راہ راحت نیست در جام غم انجام طمع کاس یاس از کف منہ کالیاس احدی الراحتین

اس مثل کو انوری نے بھی استعمال کیا ہے، وہ کہتا ہے:

تا کہ باشد ایں مثل کالیاس احدی الراحتین باد اندر راحتے کانرا نباشد بیم و یاس

خواب اجل از تو غائبم برد من غاب کما یقال قد خاب[4]

نیست بر طبع نازکت پنہاں نکتۂ تحفۃ الفقیر حقیر

مندرجہ بالا صفحات میں مولانا جامی کی کلیات سے ان کے عربی کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے اور ہم کو یقین ہے کہ اگر ان کی جملہ تصانیف کا تتبع کیا جائے تو اس سے کہیں زیادہ ایسے اشعار ملیں گے جن سے ان کے عربی مذاق شاعری کا پتہ چلے گا،

[1] الطرفۃ البا ہجۃ از الفس سعید عبود اشقر ص ۱۶۴ [2] خیر الامور اوساطہا، مجمع الامثال للمیدانی الجزء الاول ص ۲۲۳ [3] من جہل شیئاً عاداہ، الناس اعداء ما جہلوا حضرت علی ؓ کے اقوال میں سے ہے، مجمع الامثال الجزء الثانی ص ۳۰۴ [4] من غاب خاب ایضاً ص ۲۵۰

شاہانِ طہماسپ کی ادبی سرگرمیاں

از جناب ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم صاحب ڈار لکچرار شعبۂ فارسی و اسلامک کلچر اسمٰعیل یوسف کالج بمبئی

ایران کی تاریخ میں شاہان صفویہ خاص اہمیت کے مالک ہیں، صفوی خاندان کے اہم اور مشہور بادشاہ جن کا اس خاندان کے استحکام میں زیادہ حصہ ہے، شاہ اسمٰعیل، شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ہیں، اس خاندان میں ان تینوں کو بڑی ناموری حاصل ہوئی، دوسرے سلاطین کی طرح صفوی سلاطین اور شہزادے بھی علم کے شایق اور ادب کے دلدادہ اور ان میں سے اکثر بڑے اچھے شاعر اور صاحب تصنیف بھی تھے، صفوی سلطنت کے متعلق مشہور ہے کہ فارسی ادب اس دور میں زیادہ ترقی نہ کرسکا، اسی لیے اس دور میں بہت کم شاعر اور ادیب پیدا ہوئے، لیکن یہ کہنا کہ اس دور میں فارسی ادب نے زیادہ ترقی نہیں کی، درست نہیں، یہ ضرور ہے کہ دوسرے حکمراں خاندانوں کے مقابلہ میں صفوی دور میں ادب نے زیادہ ترقی نہیں کی، اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ اس دور میں ہمیشہ تلوار میان سے باہر رہی، ایکطرف ترکی سلاطین صفویوں کو زیر اقتدار لانا چاہتے تھے، دوسری طرف ازبکوں کا زور تھا، اسی لیے سلاطین صفویہ کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ علم و ادب کی ترویج کی طرف توجہ کرتے، تاہم انھوں نے اس سے بے پروائی بھی نہیں برتی، اور جہانتک ہوسکا شعرا کی ہمت افزائی کی، بادشاہوں کے علاوہ اس خاندان کے شہزادے بھی علم نواز اور ادب دوست تھے، شاعروں کی خاصی تعداد ان کے دربار سے وابستہ تھی، ان میں سام مرزا اور بہرام مرزا قابل ذکر ہیں، دونوں شہزادے سام مرزا اور بہرام مرزا، شاہ طہماسپ کے بھائی تھے، اور ادب کا بڑا ذوق رکھتے تھے، سام مرزا کی تصنیف "تحفۂ سامی" اس کی بہترین دلیل ہے، تحفۂ سامی میں اکثر جگہ وہ شعرا کے کلام پر رائے زنی

کرتا ہے، مثلاً ملا ہاتفی کے کلام کے متعلق لکھتا ہے کہ مولانا جامی نے ہاتفی کے ذیل کے اشعار کی تعریف کی ہے، لیکن فردوسی کے مقابلہ میں یہ اشعار ہیچ ہیں، ہاتفی کے اشعار جو فردوسی کے اشعار کے مقابلہ میں لکھے گئے تھے، یہ ہیں:

اگر بیضۂ زاغ ظلمت سرشت نہی زیر طاؤس باغِ بہشت

بہنگامِ آں بیضہ پروردنش ز انجیر جنت دہی ارزنش

دہی آبش از چشمۂ سلسبیل در آں بیضہ دم در دمد جبرئیل

شود عاقبت بیضۂ زاغ زاغ برد رنج بیہودہ طاؤس باغ

ہاتفی نے یہ اشعار فردوسی کے ان اشعار کے مقابلہ میں لکھے تھے:

درختی کہ تلخست ویرا سرشت گرش بر نشانی بباغِ بہشت

وز از جوی خلدش بہنگامِ آب بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

سرانجام گوہر بکار آورد ہمان میوۂ تلخ بار آورد

اور ان اشعار پر یہ رائے دیتا ہے،

"ہر چند این ابیات در برابر اشعار فردوسی وسعتی ندارد امام جامی تحسین کردہ"

اس قسم کی مثالیں تحفۂ سامی میں جابجا ملتی ہیں، سام مرزا شاعر نواز ہی نہیں تھا، بلکہ خود بھی شاعر تھا، فارسی تذکروں میں اس کے اشعار ملتے ہیں، یہ مشہور شعر اسی کی فکر رسا کا نتیجہ ہے،

حاصلِ عمر نثار رہ یارے کردم شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

سام مرزا کی شاعر نوازی کی بنا پر کئی شاعروں نے اپنی تصانیف اس کے نام معنون کیں، مثلاً قاسمی نے مثنوی خسرو و شیریں اسی کے نام معنون کی جس کا تذکرہ سام مرزا خود اپنے تذکرے میں کرتا ہے، بہرام مرزا بھی علم و ادب کا دلدادہ تھا، اور خود بھی شاعر تھا، ذیل کی رباعیات اسی کی ہیں،

انسوس کہ در خیال و خوابیم ہمہ / در پردۂ ظلمت و حجابیم ہمہ

پیوستہ بفکر ناصوابیم ہمہ / وز شومی نفس در عذابیم ہمہ

بہرام در سراچہ پُر شر و شور / تا کی بحیات خویش باشی مغرور

کردہ است دریں بادیہ صیاد اجل / در ہر قدمی ہزار بہرام گور

غرض صفوی شہزادگان علم و ادب کے بڑے قدردان تھے، اور ان کے اثر سے عوام میں بھی شعر و ادب کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، چنانچہ صفوی دور میں بادشاہ سے لیکر ادنی طبقہ کے لوگوں تک میں شعر و شاعری کا ذوق پایا جاتا تھا، شاعری کسی مخصوص طبقہ تک محدود نہ تھی، عطار، خیاط، کفش دوز سب شاعری کا ذوق رکھتے تھے، اور اچھے شاعر تھے، تحفۂ سامی میں ان لوگوں کا ذکر ہے، اس کی مثالیں شاید ہی کسی دوسرے دور کی ادبی کتابوں، تاریخوں اور تذکروں میں ملیں، پروفیسر براؤن کا یہ نظریہ کہ "اس دور میں شعر پرستی اور شاعر نوازی بالکل مفقود تھی،" تحفہ سامی کی روشنی میں صحیح نہیں معلوم ہوتا،

شاہ طہماسپ بھی علم دوست اور ادب نواز تھا، صفوی سلطنت کے استحکام میں اس کا بڑا حصہ ہے، وہ ۲۶ ذیحجہ ۹۲۰ھ میں پیدا ہوا، جیسا کہ وہ خود اپنی تصنیف تذکرہ طہماسپ میں لکھتا ہے:

"مولود در بیست و ششم شہر ذیحجہ سنہ عشرین تسعمائۃ بود"[1]

شاہ طہماسپ کی تاریخ ولادت کے متعلق پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ ۹۱۹ھ میں پیدا ہوا، لیکن خود شاہ طہماسپ کے بیان کی روشنی میں پروفیسر موصوف کا بیان صریحاً غلط ہے، صاحب احسن التواریخ لکھتے ہیں کہ "شاہ طہماسپ بروز بدھ شہاباد نامی قریہ میں پیدا ہوا"[2] غالباً پروفیسر براؤن

[1] تذکرہ طہماسپ ص ۲ [2] احسن التواریخ ص ۶۷

کا ماخذ یہی ہے، کیونکہ اس مورخ نے ۹۱۹ھ میں اس کی ولادت کا ذکر کیا ہے، لیکن اس بارہ میں خود شاہ طہماسپ کا بیان زیادہ مستند ہے، لڑکے کی ولادت کی خوشی میں شاہ طہماسپ کے باپ شاہ اسماعیل کے حکم سے جشن منایا گیا، اور وزراء اور امراء نے بیش بہا تحفے شاہ کی خدمت میں پیش کیے، حسن روملو مصنف احسن التواریخ رقمطراز ہے:

"امرای عالی مقدار و وزرای نامدار نقود نامعدود از بیض و احمر و در و گوہر نثار کردند و بشکرانۂ آن چند روز جشن و سرور و عیش و حضور نمودند"[1]

شاہ اسماعیل نے اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لیے بہترین اساتذہ کا تقرر کیا تھا، اکثر مورخ اور تذکرہ نگار اس کی تفصیل سے خاموش ہیں مگر سام مرزا کے تذکرے میں کہیں کہیں اس کی طرف اشارے ملجاتے ہیں، جو معلومات کی کمی کی وجہ سے بڑے قیمتی ہیں، سام مرزا تحفہ سامی میں قاضی شمس الدین معلم کے ذکر میں لکھتا ہے کہ وہ اس کے سوا اکثر شاہزادوں کا استاد رہ چکا ہے:

"بعضی اوقات بتعلیم اکثر شہزادگان سوای من اشتغال می نمود"

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید شاہ طہماسپ نے قاضی شمس الدین سے تعلیم حاصل کی تھی، خود شاہ طہماسپ ان پڑھ نہ تھا، حسن روملو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ شاہ طہماسپ کی طبیعت لڑکپن ہی سے خطاطی اور نقاشی کی طرف زیادہ مائل تھی،

"آنحضرت در اوائل شباب بخط نوشتن و نقاشی میلی تمام داشت"

شاہ اسماعیل صفوی کے لڑکوں میں علم و ہنر کا شوق بہت تھا، تحفہ سامی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بھائی سام مرزا کو موسیقی کا بے حد شوق تھا، شاہ اسماعیل کی موت کا اثر ایک حد تک شاہ طہماسپ کی تعلیم پر ضرور پڑا ہوگا، کیونکہ شاہ اسمٰعیل کی وفات کے بعد شاہ طہماسپ کو سلطنت کا

[1] احسن التاریخ ص ۱۴۳

کاروبار سنبھالنا پڑا، اس وقت اس کی عمر صرف دس سال تھی، اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق حسن رکو کا بیان ہے کہ شاہ طہماسپ کو مصری گدھوں پر سوار ہونے کا بڑا شوق تھا، وہ ان کو طلائی ساز و سامان سے آراستہ کرکے ان پر سوار ہوتا تھا، بوق العشق شاعر نے اس کے اس شوق کی جانب اس شعر میں لطیف اشارہ کیا ہے:

بے تکلف خوش ترقی کردہ اند   کاتب و نقاش و قزوینی و خر

تخت نشینی کے وقت شاہ طہماسپ کی عمر کل دس سال تھی، اس لیے سلطنت کا انتظام سلطان ذلو کے سپرد کیا گیا، قاضی جہاں قزوینی دیوان مقرر ہوئے، اور صدارت کا اہم کام امیر قوم الدین حسن اور امیر جلال الدین محمد استرآبادی کے سپرد کیا گیا، شاہ طہماسپ نے ۵۲ سال کی طویل مدت تک حکومت کی اور ۶۴ برس کی عمر میں وفات پائی، بقول مصنف احسن التواریخ بہرام گور کے بعد کسی نے اتنی مدت تک ایران پر حکومت نہیں کی۔

در ایران از زمان بہرام گور تا تاریخ ہجری .... قریب ہزار و دویست سال است کہ اینقدر سلطنت نکردہ است[1]۔"

شاہ طہماسپ ایک کامیاب بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی تھا، اور ادبی ذوق بھی رکھتا تھا، اور اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس نے ادب کی خدمت بھی کی، وہ خود بھی شعر کہتا تھا، مصنف آتشکدہ نے اس کے چند اشعار نقل کیے ہیں، جو مختلف مقامات اور وہاں کے حالات سے متعلق ہیں،

ز تبریزی بجز چیزی نہ بینی   ہماں بہتر کہ تبریزی نہ بینی

اصفہان بہشتی است پر نعمت   اصفہانی در آں نمی باید

۱؎ احسن التواریخ ص ۴۶۵،

سنگ کاشی بہ از اکابر قم   باوجودیکہ سگ بہ از کاشی[1]

ذیل کی رباعی بھی شاہ طہماسپ کی ہے،

یکچند پی زمرد سودہ شدیم   یکچند بیاقوت تر آلودہ شدیم

آلودگی بود بہر رنگ کہ بود   شستیم بآب تو بہ آسودہ شدیم[2]

اس نے شعرا کی بڑی ہمت افزائی کی اور انھیں صلات اور انعامات سے نوازا، کئی شعرا اس کے دربار سے متوسل تھے، تحفۂ سامی کے مصنف کا بیان ہے کہ آقا میرک نقاش نامی شاعر اس کے درباری متوسلین میں تھا، اس نے اس کا ایک مطلع جو جامی کے جواب میں ہے نقل کیا ہے،

"حالیا در خدمت صاحبقرانی می باشد ...... در جواب این مطلع جامی

دو ہفتہ شد کہ ندیدم مہ دو ہفتہ خود را   کجا روم بکہ گویم غم نہفتہ خود را

غزلی گفتہ کہ مطلعش اینست:

شدم بباغ کہ بینم گل شگفتہ خود را   شنیدم از گل و بلبل غم نہفتہ خود را[3]

ایک شاعر امیر ابو المحامد نے کسی دوسرے شاعر کا قصیدہ اپنے نام سے شاہ کے دربار میں پڑھا، اس نے اس کو انعام سے نوازا، سام مرزا لکھتا ہے:

"دروغ گوئی او در مرتبہ بود کہ قصیدہ دیگری را در مجلس بہشت آئین حضرت صاحبقرانی خواندہ صلۂ عظیم گرفت[4]۔"

مرزا قاسم قاسمی اپنے دور کا بہت بڑا شاعر اور مثنوی نگار تھا، سام مرزا لکھتا ہے:

"در مثنوی دریں زمانہ سرآمد است[5]۔"

یہ بھی شاہ طہماسپ کے درباری شاعروں میں سے تھا، اس نے چند مثنویاں شاہ کے

۱؎ آتشکدہ ص ۲۱ ۲؎ تذکرہ طہماسپ ص ۳۰ ۳؎ تحفۂ سامی ص ۴۴ ۴؎ ایضاً ص ۳۷ ۵؎ ایضاً ص ۳۶

نام معنون کیں، اس نے شاہ طہماسپ کی فتوحات کو بھی نظم کیا تھا، اور اس کو شاہ نامہ کے نام سے موسوم کیا تھا، سام مرزا لکھتا ہے:

"اول شاہنامہ کہ فتوحات زمان صاحب قران رانظم کردہ۔"

اس مثنوی کے چند اشعار یہ ہیں:

غبار آنچناں در ہوا شد حجاب — کہ رہ بست بر دعوتِ مستجاب

ز والای گلگوں سنان بہرہ مند — شفق از زمیں نیزہ داری بلند

یلاں غرق آہن ز سرتا بپای — چو صورت کہ گیرد در آئینہ جای

نہاں در زرہ مہوشان زمان — چو در حلقۂ دیدہ ہا مردمان

یلان از تبرزین فتادہ نگوں — چو از تیشۂ کوہکن بے ستون

فرو ماندہ اسپان ز جولان ہمہ — چوں اسپان شطرنج بیجان ہمہ[1]

ایک اور مثنوی لیلیٰ و مجنون بھی شاہ طہماسپ کے نام اور ایک دوسری مثنوی خسرو و شیرین لکھکر شاہ طہماسپ کے بھائی سام مرزا صفوی کے نام معنون کی، ان مثنویوں کے متعلق سام مرزا کا بیان یہ ہے:

"دوم کتاب لیلیٰ و مجنون کہ بنام صاحب قرانی گفتہ .... دیگر کتاب خسرو شیریں کہ بنام من۔"[2]

محتشم کاشانی بھی شاہ طہماسپ کے دربار کا مشہور و معروف شاعر ہے، شاہ طہماسپ نے اس کی ہمت افزائی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا، محتشم نے بھی شاہ کی مدح سرائی میں پورا زور بیان صرف کر دیا، محتشم دربار صفوی ہی کا نہیں بلکہ اپنے زمانہ کا بلند پایہ شاعر تھا، لطف بیگ آذر

۱؎ تحفۂ سامی ص ۲۶ ۲؎ ایضاً ص ۲۷

اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے:

"سرآمد شعرائے فصاحت شعاران روزگار و مداح شاہ طہماسپ صفوی است در اکثر فنون نظم کمال مہارت دارد۔"[1]

ذیل کے مدحیہ اشعار اسی کے فکر سخن کا نتیجہ ہیں:

شاہ طہماسپ آنکہ در پیش — ہیچہ سنجر ہزار خاں باشد

شہ گیتی ستاں طہماسپ آں کز بیم رزم او — تن پیل دماں کاہد دل شیر ژیاں لرزد

اگر فغفور چین آید بقصد آستاں بوسش — ز چین ابروے دربانِ آن آستاں لرزد

بدورش وز دگر دکاوپاں گرد بیجا وحشی — بعہدش گرگ را بر میش دل در پیش از شبان لرزد[2]

شاہ طہماسپ کی ادب نوازی کی مثالیں مختلف تذکروں میں ملتی ہیں، عبدی شاہ طہماسپ کے دربار کا ایک ممتاز شاعر اور اس کے مداحوں میں تھا، اس کے مدحیہ قصیدے کے بعض اشعار یہ ہیں:-

ہر آنکو ز مدحِ شہے داشت نور — جہانگیر شد ہمچو فرخندہ ہور

ہر آنکہ بنودش بمدحے مدار — بنودش چناں ہم بہ ہر اعتبار

دگر از سخن پرورانِ کہن — ہمیں باب مداح اندر آمد سخن

ہمہ کردہ از نامور نامہ ہا — بمدحِ شہاں گرم ہنگامہ ہا

مرا ہم خوش آید کہ دیوان من — کہ آمد گرامی تر از جانِ من

زنام شہے چوں تو گیرد جمال — کلامم ز مدحت پذیرد کمال

اگر سعدی از نام بوبکر سعد — خط شاہد نظم را کرد جعد

۱؎ آتشکدہ ص ۲۵۱ ۲؎ ایضاً ص ۲۵۳

کنون عبدی از نام طہماسپ شاہ ٭ سخن راند بر فلک بارگاہ[1]

غرض شاہ طہماسپ کی ادب نوازی اور علم پروری کے بہت سے واقعات ہیں، ان کے علاوہ اس کے ادبی ذوق کا سب سے بڑا ثبوت خود اس کا طہماسپ نامہ یا تذکرۂ طہماسپ ہے، اس کتاب کا ذکر بہت کم کتابوں میں ملتا ہے، اور جہاں کہیں بھی ہے بہت مختصر ہے، تذکرہ طہماسپ شاہ طہماسپ کی اپنی ڈائری ہے، جس میں شاہ نے اپنے زمانے کے حالات قلمبند کیے ہیں، اس حیثیت سے اس تذکرہ کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے اور وہ بعد کی تاریخوں اور تذکروں کا ماخذ رہا ہے،

اس سے مصنف کی زندگی، اس کی ادب نوازی، اس کے عقائد اور خانگی معاملات پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور یہ معلومات بمشکل کسی دوسری کتاب میں مل سکتے ہیں، شاہ اسمٰعیل صفوی اور شاہ طہماسپ صفوی کے دور کے حالات کا یہ نہایت مفید اور اہم ماخذ ہے، یہ تذکرہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے ۱۹۱۲ء میں شائع کیا تھا،

حسب معمول اس کتاب کی ابتدا حمد سے کی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؑ اور ائمۂ معصومین کی تعریف ہے، مصنف اس تذکرہ کی تالیف کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے حالات اور سرگذشت کو قلم بند کرے، تاکہ اس کے بعد یادگار رہے، اور اس کی اولاد اور بہی خواہوں کے لیے دستور العمل کا کام دے، چنانچہ لکھتا ہے،

"اما بعد بخاطر شکستہ بندۂ ضعیف حضرت باری تعالیٰ جل وشانہ و امت نجیف حضرت ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وغلام باخلاص حضرت سید الوصیین و اولاد او صلوات اللہ علیہم اجمعین، طہماسپ بن اسمٰعیل بن حیدر الصفوی الموسوی الحسینی خطور کرد کہ از احوالات و سرگذشت خود تذکرہ بقلم آورم کہ از ابتدائے جلوس الی یومنا ہذا احوالم بچہ نوع

[1] تحفۂ سامی ص ۱۰، جلد دوم،

گذشتہ تا از من بر سبیل یادگار در روزگار بماند و دستور العمل اولاد و امجاد و احباب شود"[1]

دوران تذکرے میں اپنے متعلق بہت سی مفید معلومات بہم پہنچاتا ہے، اس کی مثالیں تذکرہ میں جابجا ملتی ہیں، اپنی ولادت کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ وہ ۲۶ ذیحجہ ۹۱۹ھ میں پیدا ہوا، مگر افسوس ہے کہ اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھتا، اور اس کے لیے ہمیں دوسری کتابوں اور تذکروں کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے، حسن روملو صاحب احسن التواریخ نے جو شاہ طہماسپ کا ہمعصر تھا، شاہ کی ولادت کے بارہ میں اس سے زیادہ لکھا ہے وہ لکھتا ہے:

"روز چہار شنبہ بیست و ششم ذیحجہ شاہ دین پناہ ظل آلہ در قریۂ شہاباد من اعمال اصفہان متولد شد"[2]

اس کا سبب یہ ہے کہ شاہ طہماسپ نے اس تذکرہ میں عمداً اختصار سے کام لیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

"چون بے تکلف نوشتہ شدہ در خوردہ گیری در نیایند"[3]

اپنی تخت نشینی کے متعلق لکھتا ہے کہ دس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، اور یہ رسم بروز دوشنبہ ۱۹ رجب ۹۳۰ھ میں صبح کے وقت ادا کی گئی،

"بتاریخ نہصد و سی از ہجرت در محل چاشت روز دوشنبہ نوزدہم شہر رجب ...... جلوس بر سریر جہانبانی واقع شد در سن دہ سالگی"[4]

شاہ طہماسپ کی شراب نوشی اور دیگر منہیات سے متعلق اس تذکرہ میں بڑی دلچسپ اور مفید عام معلومات ملتی ہیں، مشہور ہے کہ وہ شراب ہی نہیں بلکہ افیون کا بھی بڑا عادی تھا، صاحب احسن التواریخ کا بیان ہے کہ وہ شراب نوشی اور افیون کھانے میں بڑی

[1] تذکرۂ طہماسپ ص ۲ [2] احسن التواریخ ص ۱۴۲ [3] تذکرۂ طہماسپ ص ۲ [4] ایضاً

بے اعتدالی سے کام لیا تھا:

"در مرتبہ بخوردن شراب غلوی عظیم داشت و قریب پانصد تومان فاروقی تریاق
بآب حل کرد"[1]

مگر اسی مورخ کا بیان ہے کہ بعد میں شاہ نے ان تمام چیزوں سے توبہ کرلی تھی، شاہ طہماسپ نے
اس کی یہ عجیب و غریب وجہ بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ اس نے ہرات سے نکل کر مشہد مقدس کی زیارت
کی، اس وقت اس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر وہ لڑائیوں میں فتح کا خواہشمند
ہے تو اسے چاہیے کہ ان تمام لذات دنیاوی سے توبہ کرے اور انھیں ہمیشہ کے لیے ترک کردے، صبح اس نے
یہ خواب امراء سے بیان کیا، بعض امیروں نے مشورہ دیا کہ وہ چند چیزوں کو ترک کردے اور شراب
کو جو سلطنت کے لیے ضروری ہے، نہ چھوڑے، یہ مشورہ شاہ کو پسند نہیں آیا، اور اس نے تمام
منہیات کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا، دوسری رات کو بھی اس نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا
اور اپنے کو امام ضامن کے قدموں کے پاس کھڑے اور محتسب کو پکڑتے ہوئے اور خود کو شراب،
زنا اور تمام مناہی سے توبہ کرتا ہوا پایا، چنانچہ اس نے اس خواب کے مطابق امام ضامن کے مقبرہ
پر جاکر ان تمام چیزوں سے توبہ کی اور انھیں ترک کردیا، اس وقت اس کی عمر بیس سال کی تھی،
اس واقعہ کی یادگار میں اس نے ایک رباعی کہی، چنانچہ لکھتا ہے:

"ودر سن بیستم سالگی کہ ایں سعادت نصیب شد ایں رباعی را انشا کردم۔ رباعی

یکچند پی زمرد سودہ شدیم | یکچند بیا قوت تر آلودہ شدیم
آلودگی بود بہر رنگ کہ بود | شستیم بآب توبہ و آسودہ شدیم"[2]

منہیات سے توبہ کے بعد اس نے اپنی مملکت میں بھی ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا، چنانچہ

[1] احسن التواریخ ص ۱۸۴ [2] تذکرہ طہماسپ ص ۳۰

لکھتا ہے:

"الحمد للہ والمنۃ کہ لشکر قلمرو من از شراب و فسق بلکہ جمیع مناہی توبہ کردہ اند و در کل مملکت من
شراب خانہا و بوزخانہا و بیت اللطف و سائر نامشروعات برطرف شدہ"[1]

ان نامشروعات کو ترک کردینے کے بعد اس کو لڑائیوں میں فتح حاصل ہونے لگی، ان واقعات
سے تمام علما حیران رہ گئے۔

"و جمیع عقلا دریں مقدمات حیرانند"

شاہ طہماسپ نے کئی جگہ اپنے خواب کا ذکر کیا جس سے اس کے مذہبی عقائد کا پتہ چلتا ہے،
اس نے ازبکوں کے ساتھ اپنی لڑائیوں کا بھی ذکر کیا ہے، ایک جنگ کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ
جب اس کی فوج ازبکوں سے برسرپیکار تھی، اس نے ایک رات کو خواب میں حضرت علیؓ کو
مسکراتے ہوئے دیکھا، آپ نے اسکو جنگ میں فتح کی بشارت دی، دوسرے دن صبح کو اسے
خبر ملی کہ ازبک بھاگ نکلے، اس واقعہ کے متعلق لکھتا ہے:

"دراں شب آقا و مولای خود امیر المومنینؑ و امام المتقین و یعسوب الدین اسد اللہ
الغالب علی بن ابی طالب علیہ السلام را در واقعہ دیدم کہ بروے من تبسم فرمودہ گفت
فتحی نیکو الحمد للہ ترا میسر شد و چوں صبح شد دانستم کہ ازبک شکست خوردہ و گریختہ اند۔"

اس کے بعد تحریر کرتا ہے،

"اعتقاد بندۂ ضعیف طہماسپ الصفوی الموسوی الحسینی اینست کہ ہرکس کہ حضرت
امیر المومنین صلوٰت اللہ علیہ را در خواب بیند آنچہ ایشان فرمایند ہماں میشود"[2]

حضرت علیؓ نے اس کو خواب میں چند ہدایتیں بھی کی تھیں، جن میں سے بعض یہ ہیں، سمرقند

[1] تذکرہ طہماسپ ص ۲۹ [2] ایضاً ص ۱۲ [3] ایضاً

کی فتح کے بعد وہ یا اس کی اولاد آپ کے مقبرے کا گنبد امام ثامن ضامن کے گنبد کی طرح بنوائے اور فتحی بیگ کو جو طہماسپ کے لڑکے کا پروانچی (سکرٹیری) تھا، اس کا متولی مقرر کرے:

"بعد ازاں حضرت علی علیہ السلام مرا پیشتر طلبیدہ می فرمود کہ سہ چیز بتو فرمایم نظر کن کہ دراں جہد نمائی...... دویم آنکہ بعد از فتح سمرقند گنبد مرا تو یا اولاد تو مثل گنبد امام ثامن ضامن امام رضا علیہ السلام بسازید سیم سفارش فتحی بیگ کہ پروانچی حضرت شاہ بابام بود کردہ فرمودند کہ او را متولی آستانۂ مقدس گردان کہ او از ماست"[1]

(باقی)

[1] تذکرہ طہماسپ ص ۲۳

حکمائے اسلام

جلد اول و دوم

اردو میں اب تک مشاہیر حکماء کے حالات میں کوئی جامع کتاب نہیں تھی، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے حکمائے اسلام کے حالات میں ایک جامع کتاب لکھی گئی ہے، جس میں انکے حالات و سوانح کے ساتھ ان کی ہر قسم کی مذہبی، اخلاقی اور فلسفیانہ خدمات کو نمایاں کیا گیا ہے، پہلے حصہ میں یعقوب کندی، ابونصر فارابی، محمد بن زکریا رازی، ابن مسکویہ، ابوریحان بیرونی، امام غزالی، ابوالبرکات بغدادی کے حالات ہیں، اور دوسرے حصہ میں ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، امام رازی، مغلوں اور تاتاریوں کے عہد کے حکماء، حکمائے متاخرین، خاندان فرنگی محل، خاندان خیرآباد اور مختلف خاندانوں کے حکماء، مثلاً ملا محمود جونپوری، ملا محب اللہ بہاری وغیرہ کے حالات اور انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں، ان کی تفصیل ہے۔

مؤلفہ مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

قیمت جلد اول عہ

منیجر

تلخیص و تبصرہ

نہر سوئز

از جناب محمد نظام صاحب بی، اس سی ایل ایل بی عثمانیہ

صدر کمال عبدالناصر نے نہر سوئز کو قومی ملک قرار دیکر دنیا پر یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ مصر پوری طرح آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔

ڈھائی ہزار سال سے مصر پر مصریوں کی حکومت نہیں رہی، غیر ملکی حکومت کا آغاز ۵۲۵ ق، م میں ایران کی فتح سے ہوتا ہے، اس کے بعد مصر اہل مقدونیہ، رومیوں، بازنطینیوں، عربوں، فاطمیین، مما لکہ ترکوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں کے زیر نگیں رہا، نہر سوئز کی تعمیر کے بعد مصر کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور وہ یورپ کی ہر طاقت کی حریص نگاہوں کا مرکز بنا رہا،

مصر اور نہر سوئز کی اہمیت

ہندوستان میں انگریزوں سے سیاسی جنگ ہار جانے کے بعد فرانس نے مشرق و مغرب کے درمیان ایک ایسے راستہ کی ضرورت محسوس کی جو جنوبی افریقہ سے ہو کر آنے والے راستہ کے مقابلہ میں چھوٹا اور آسان ہو، چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں Talleyrand نے اعلان کیا کہ اگر فرانس مصر میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ انگریزوں کی قوت کو ہندوستان میں ختم کر سکے گا، جس کے بل بوتے پر یورپ میں ان کی شان قائم ہے"

ابتداءً میں انگلستان نے نہر سویز کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا، چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ لارڈ پامرسٹن نے نہر سویز کی اسکیم کی مخالفت کی، اور اس کی تعمیر میں ممکنہ رکاوٹ پیدا کی، لیکن اسی زمانہ میں جارج بالڈون نے جو کمپنی کی پیدل فوج میں ملازم تھا، اپنی حکومت کو آگاہ کیا کہ اگر فرانس مصر پر قابض ہو جاتا ہے تو دنیا کے تمام تجارتی مراکز کی شاہ کلید اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے،

۱۹۱۱ء میں مشہور جرمن اہل قلم ڈاکٹر پال روہر بیک (Dr. Paul Rohrback) نے کہا تھا "یورپ سے انگلستان پر براہ خشکی کامیاب حملہ ایک ہی مقام سے کیا جا سکتا ہے، اور وہ مقام مصر ہے"، قیصر بھی اسی قسم کی تمنا اپنے دل میں رکھتا تھا، اس نے 'برلن بغداد ریلوے' کا خواب بھی دیکھا تھا، تاکہ اس شمالی شاہ راہ پر قابض ہو کر جس سے سیکڑوں سال قبل مارکوپولو گذرا تھا، انگلستان کو مصر اور نہر سویز سے نکال باہر کرے، ۱۹۳۰ء اور اسکے بعد مسولینی مصر اور نہر سویز پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا رہا، کیونکہ نہر سویز ہی وہ واحد راستہ تھا جس سے ابی سینیا کی جنگ کے لیے اس کی سپاہ اور سامان جنگ کو گذرنا پڑتا تھا،

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جس میں قیصر ناکام ہو چکا تھا، دوسری جنگ عظیم میں چیف آف دی جرمن نیول اسٹاف کو ہٹلر نے حکم دیا تھا "نہر سویز پر بہر قیمت قبضہ کیا جائے، اس میں شک ہے کہ تنہا اطالوی اس مہم کو سر کر سکیں گے، جرمن فوجوں کی مدد ضروری ہوگی"،

عین اس وقت جبکہ شہنشاہیت کی ناؤ ڈگمگا رہی تھی اور برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ مغربی ایشیا میں اپنے قدم مضبوط کرنے کے طریقے تلاش کر رہی تھی چیف آف دی امپیریل اسٹاف، فیلڈ مارشل سلم (Slim) نے اپنی حکومت کو آگاہ کیا کہ "وہی مشرق وسطی پر قبضہ رکھ سکتا ہے، جو مصر پر قابض ہو"

برطانوی لیبر گورنمنٹ نے برطانوی سلطنت اور ناٹو (Nato) کی شریک قوتوں کے مفاد کی خاطر مغربی ایشیا کے دفاع کے لیے مصر کو مرکز قرار دیا، چرچل کی حکومت اور دو قدم آگے بڑھی، اس نے امریکہ سے خواہش کی کہ وہ بھی مصر کے دفاع میں حصہ لے، جب برطانوی

حکومت کو اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کہ وہ مصر کو ایسی دفاعی تنظیم میں شریک کر سکے جو مغرب کے زیر اثر ہو، تو اس نے عراق کو مصر کے مد مقابل لا کھڑا کیا، اس طرح عربوں کو دو مخالف گروہوں میں تقسیم کرنے میں اسے کامیابی ہو گئی،

نہر سویز کی تعمیر

نہر سویز کی تعمیر اور تکمیل فرانسیسی انجنیر Ferdinand De Lesseps کی محنت، جانفشانی اور مستقل مزاجی کا نتیجہ ہے، لیکن اگر خدیو مصر کا تعاون شامل حال نہ ہوتا تو کامیاب نہ ہوتا، خدیو نے نہر کی ابتدائی پیمایش کے تمام اخراجات برداشت کیے، اور جب کمپنی تشکیل پائی تو فرانس کے بعد سب سے زیادہ حصے اسی نے خریدے، ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو نہر سویز کا افتتاح عمل میں آیا، ڈی لسپس (De Lesseps) کی انتہائی کوشش کے باوجود برطانیہ نے نہر کی تعمیر کے لیے ایک پائی تک نہ دی، لیکن جب نہر سویز کا تجربہ کامیاب ثابت ہوا تو وزیر اعظم ڈزرائیلی نے نہایت چالاکی کے ساتھ تباہ حال خدیو اسمٰعیل سے (۱۷۶۶۰۲) حصے خرید لیے، اس طرح نہر سویز کی تعمیر کے بعد پانچ سال کے اندر تقریباً نصف حصوں کا مالک ہو گیا، اور وہی ایک تنہا ملک تھا جو اسقدر حصوں پر قابض تھا، ۱۹۲۰ء تک برطانیہ کو اس سرمایہ کا جو اس نے خرچ کیا تھا، تقریباً آٹھ گنا واپس مل گیا،

معاہدات اور قرار دادیں

مصر نے نہر سویز کی خاطر کیا کیا اور اسے کیا ملا؟ اس سوال کے جواب کی کہانی بڑی دردناک ہے،

علاوہ اس خطۂ زمین کے جو مصر نے نہر سویز کے لیے دیا ۱۲۵۰۰۰ پچیس ہزار مصری غلامانہ مزدوری کرنے پر مجبور کیے گئے، اسی کے ساتھ یہ حقیقت کتنی تکلیف دہ ہے کہ ۱۹۳۶ء تک مصر کو نہر سویز کمپنی سے کسی قسم کی رائلٹی نہیں ملی ہے، ۱۹۳۷ء میں کمپنی اس بات پر راضی ہوئی کہ مصر کو سالانہ تیس لاکھ مصری پونڈ رائلٹی دی جائے اور کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس میں ۲ مصری ڈائرکٹر مقرر کیے جائیں،

۱۹۴۹ء میں رائلٹی کی مقدار بڑھا کر کل نفع کا ۷٪ کر دی گئی، ۱۹/ اگست ۱۹۴۹ء کو کمپنی اور مصری حکومت کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے ۱۹۶۴ء تک کمپنی میں ۱۲ مصری ڈائرکٹروں کو لینا طے پایا،

نہر سویز کمپنی نے جس پر غالب اثر فرانس کا تھا شروع ہی سے اپنے آپ کو مصری قانون کے تحت مصری اسٹاک کمپنی کے طور پر رجسٹرڈ کرا دیا تھا، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ نہر کی تعمیر میں خدیو مصر نے سیاسی اور اقتصادی مدد دی تھی، دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ اینگلو فرنچ طاقتوں اور عثمانی سلطنت کے درمیان سیاسی رقابت چلی آ رہی تھی،

خدیو محمد علی پاشا السعید کی جانب سے De Lesseps کو رعایتی اجازت نامہ عطا ہوا تھا، اس میں تحریر ہے کہ "کمپنی کے ڈائرکٹرس ہمیشہ مصری گورنمنٹ مقرر کریگی"۔

دفعہ ۱۶ بتلاتی ہے کہ اس اجازت نامہ کی مدت ختم ہونے پر مصری حکومت کمپنی کی قائم مقام ہو جائے گی اور اسے بلا کسی استثناء کے تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے، نیز یہ حکومت نہر اور اس سے متعلقہ تمام انتظامات پر قابض ہوگی، کمپنی کی مشنری اور اس کی قابل انتقال اشیا کا معاوضہ دوستانہ بات چیت یا ثالثی کے ذریعہ طے کیا جائے گا، اس کے ساتھ یہ رعایت بھی دی گئی تھی کہ کمپنی مصر کی کانوں اور پتھر کے ذخائر سے محصول ادا کیے بغیر استفادہ کر سکتی ہے، اس اجازت نامہ میں یہ بات پھر دہرائی گئی ہے کہ ننانوے ۹۹ سالہ اجازت نامہ کے اختتام پر معاوضہ ادا کرنے کے بعد مصری حکومت نہر سویز پر قابض ہو سکے گی،

۲۹/ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو قسطنطنیہ میں نو ۹ قوموں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس نے اس بات کی ضمانت دی کہ نہ صرف امن کے زمانے میں بلکہ جنگ کے زمانہ میں بھی تمام ملکوں کو نہر سویز میں جہازرانی کی آزادی حاصل رہیگی، اور کسی صورت میں بھی نہر سویز کی ناکہ بندی نہیں کیجائیگی،

دفعہ ۴ بتلاتی ہے کہ محارب ممالک کے جنگی جہازوں کو زمانۂ امن کی طرح زمانۂ جنگ میں بھی نہر سویز سے گذرنے کی آزادی حاصل رہے گی،

۱۹۳۶ء میں انگلستان اور مصر کے درمیان جو معاہدہ ہوا، اس کی رو سے نہر سویز مصر کا جزو لاینفک قرار دی گئی، اس معاہدہ کے ذریعہ شاہ مصر نے حکومت برطانیہ کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ نہر کے علاقہ میں صرف اس وقت تک فوجیں رکھ سکتی ہے، جب تک مصری فوج نہر کی حفاظت اور آزاد جہازرانی کی ضمانت کے قابل نہ ہو جائے، معاہدہ میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ معاہدہ کی مدت ۲۰ سال سے زیادہ نہ ہوگی،

جولائی ۱۹۵۶ء میں برطانوی حکومت نے اپنی تمام فوجوں کو نہر سویز سے واپس بلا کر گویا اس بات کو تسلیم کر لیا کہ کم از کم امن کے زمانہ میں مصر کو نہر سویز پر اقتدار اعلیٰ حاصل ہے،

۱۹۲۵ء میں اس بات کی کوشش کیگئی تھی کہ اجازت نامہ کی مدت میں جو ۱۹۶۸ء کو ختم ہوتی ہے، ۴۰ سال کا اضافہ کیا جائے، لیکن مصر نے ابھی سے انکار کر دیا تھا، اور اسوقت سے ابتک کسی طاقت نے مصر کے اس انکار کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، مصری اقتدار کے تحت اور مصری جوائنٹ اسٹاک کمپنی کے طور پر نہر سویز کمپنی کو قائم ہوئے ۸۰ سال ہو رہے ہیں، اور آج پہلی مرتبہ برطانوی وزیر اعظم نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ مصر کو ہر وقت نہر سویز پر اقتدار اعلیٰ حاصل ہے،

ان تمام قوموں کو جنکی مصنوعات اور ضروریات کی چیزیں نہر سویز سے گذرتی ہیں، اس بات سے گہری دلچسپی ہونی چاہیے کہ ۱۸۸۸ء کی کانفرنس کی قراردادوں پر پوری طرح عمل کیا جائے، جہانتک کانفرنس کی قراردادوں پر عمل کرنے کا تعلق ہے، برطانیہ کا دامن اس سلسلہ میں بھی پاک نہیں ہے، گذشتہ دونوں عظیم جنگوں کے زمانہ میں برطانیہ نے قراردادوں کی خلاف ورزی کی، جونہی پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی، مصری حکومت نے جو برطانوی حکومت کے زیر اثر تھی، ۵/ اگست ۱۹۱۴ء کو حکم دیدیا کہ نہر سویز سے تمام جہازرانی روک دیجائے، دوسری جنگ عظیم

نہر سویز

میں چرچل نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا، اور ۱۹۴۰ء میں برطانوی نوجوں کو حکم دیدیا تھا کہ اگر انگلستان فتح ہوجائے تو نہر سویز تباہ کر دیجائے،

۱۹۴۲ء کے موسم گرما میں رومیل کے نہر سویز پر قابض ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا، اسی سال ۳۰ جون کو روزویلٹ نے جنرل مارشل کو بحری تار کے ذریعہ سے ہدایت کی کہ اگر دریائے نیل کے ڈیلٹا کے لیے خطرہ پیدا ہوجائے تو نہر سویز کی ناکہ بندی ضروری ہے،

ہگ شان فیلڈ (Hugh schonfield) نے نہر سویز کے متعلق جو کتاب لکھی ہے اس میں لکھتا ہے کہ "دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جو تجربات ہوئے ان سے نہر سویز کے متعلق بڑی طاقتوں کے رویہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جب کبھی وقت آیا تو نہر سویز پر اقتدار حاصل کرنے کی جد و جہد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوگی، اور اس رقابت کے زمانہ میں نہر سویز کانفرنس کی قراردادوں کو کاغذ کے ایک ردی ٹکڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی"؛

جس وقت پامرسٹن اور اس کے حلیف نہر سویز کی تعمیر میں رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے، فرانسیسی سیاست داں دی لامرٹن (De Lamer line) نے نیشنل چیمبر میں کہا تھا "قدرت، قومی حسد اور تنفر کے مقابلہ میں طاقتور ہے، تمھاری تمام رکاوٹوں کے باوجود یورپ اور ہندوستان نہر سویز کی راہ ایک دوسرے سے لین دین کریں گے، مشرق و مغرب ایک دوسرے سے دوستانہ ہاتھ ملائیں گے اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا"۔

اس تمام عرصہ میں یورپ ہی نئی زندگی حاصل کرتا رہا، کیا اب جب کہ حالات بدل رہے ہیں قدرت پھر قومی حسد اور تنفر سے طاقتور ثابت ہوگی؟

("ٹائمس آف انڈیا)

ادبیات

غزل

از جناب حبیب احمد صاحب صدیقی سکریٹری یوپی گورنمنٹ

قدم قدم پہ حجابات ہیں نظر کے لیے
نشاطِ کار فراہم ہے دیدہ ور کے لیے

یہ مہر و ماہ و کواکب کی بزم لامحدود
صلائے دعوتِ پرواز ہے بشر کے لیے

وہ اک نظر جو نویدِ حیات لائی تھی
ترس رہی ہیں نگاہیں اسی نظر کے لیے

ہے آرزوئے نگاہ دگر دلیلِ ہوس
بہت ہے ایک کرن تابشِ گہر کے لیے

ہزار سجدے ہیں بیتاب آستاں ہی نہیں
ہوئی ہے ہمتِ عالی عذاب سر کے لیے

جو آہ خونِ تمنا سے پرورش پائے
گدائے چشمِ کرم ہوگی کیا اثر کے لیے

وہی نگاہ جو بیگانہ وار ملتی تھی
بنی انیسِ رگِ جاں وہ عمر بھر کے لیے

کچھ اور جذبۂ پرواز بڑھ گیا کہ قفس
ہے تازیانۂ احساس بال و پر کے لیے

بتائے کون کسی کو نشانِ منزلِ زیست
ابھی تو حجت باہم ہے رہگذر کے لیے

دفورِ یاس نہ کر اس قدر تو شرمندہ
رہے کوئی تو سراز خم چارہ گر کے لیے

ہلاک جلوۂ حیرت فزا ہوں کس سے کہوں
ہزار کام تھے باقی ابھی نظر کے لیے

وادیٔ الفت

از

جناب نکہت شاہجہانپوری ام اے صدر شعبۂ فارسی اردو جی اف کالج شاہجہانپور

(بقید یک قافیہ)

یہ کفرِ حقیقت ہے کہ نہیں کچھ سوچ کے چپ ہوجاتا ہوں
ایمان کے دعوے سنتا ہوں ایقاں میں کمی سی پاتا ہوں

دنیائے محبت کیا کہیے جب موت بھی اپنی زیست بنے
وہ میرے مسیحا بنتے ہیں میں ان کو مسیحا پاتا ہوں

مقصد بھی وہی منزل بھی وہی جادہ بھی وہی محمل بھی وہی
رہبر کا سہارا کیا معنی میں انکو سہارا پاتا ہوں

یہ کیف و سرور و وجد کہاں اور بادۂ تلخ آشام کہاں
ساقی سے نگاہیں ملتے ہی میں حاصل صہبا پاتا ہوں

جب ان کی تمنا دل میں ہو تو دل کی تمنا کیا معنی
وہ جانِ تمنا بنتے ہیں میں ذوقِ تمنا پاتا ہوں

اللہ اللہ وادیِ الفت اپنے قدم رکنے کے نہیں
کچھ دل کا سہارا پاتا ہوں کچھ انکا اشارا پاتا ہوں

میں تشنہ بجاں مشتاق نظر کسطرح کہوں اور کس سے کہوں
اندازۂ شوق کی نسبت سے جلووں میں کمی سی پاتا ہوں

اے میری نگاہ باز پسیں مایوس نہ ہو ناکام نہ بن
پردوں میں حریم ناز کے بھی جنبش سی مگر میں پاتا ہوں

گرداب محبت دل میں ہے ساحل کی تمنا کون کرے
یہ خوف تلاطم کیا معنی طوفاں کو سہارا پاتا ہوں

نکہت یہ سمجھنا مشکل ہے الفت میں تسلی کیا معنی
وہ سامنے ہوں یا آنکھوں میں کچھ دل میں خلش سی پاتا ہوں

جلوۂ صد رنگ

جناب حبیب احمد صاحب صدیقی ایم اے ایل ایل بی سکریٹری یو پی گورنمنٹ کا مجموعۂ کلام جس میں پہلے مجنوں گورکھپوری کے قلم سے پیش لفظ ہے، اسکے بعد غزلیں نظمیں اور آخر میں متفرق اشعار ہیں، اسمیں موصوف کا ۱۹۴۶ء کے نصف تک کا سارا کلام آگیا ہے۔ پتہ :- بھگوتی سہائے صاحب بھٹناگری وکیل ۱۵۷ سروپ نگر، کانپور، قیمت

مطبوعات جدیدہ

الہارون۔ مترجمہ جناب شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲۰ صفحات، کاغذ عمدہ، خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت صر پتہ مکتبہ جدید انارکلی لاہور

خلیفہ ہارون رشید نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ دنیا کے نامور بادشاہوں میں تھا، اس کے زمانہ میں شوکت وعظمت اور علم وتمدن میں اس دور کی کوئی حکومت خلافت عباسیہ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی، عروس البلاد بغداد، ساری دنیا کا مرکز اور تماشا گاہ عالم بن گیا تھا، اس زمانہ میں اس کی وہی حیثیت تھی جو آجکل یورپ کے بڑے بڑے دار السلطنتوں کی ہے، اردو میں اسلامی تاریخ کے ضمن میں ہارون رشید کے حالات بھی ملتے ہیں، لیکن اس پر کوئی مستقل مستند کتاب نہیں ہے، مصر کے ایک اہل قلم عمر ابو النصر نے نامورانِ اسلام کے سلسلہ میں ہارون رشید کے حالات میں عربی میں ایک کتاب لکھی ہے، مذکورۂ بالا کتاب اسی کا اردو ترجمہ ہے، اس میں عباسی خلافت کے قیام کے مختصر اور ہارون کی پیدائش سے لیکر اس کی وفات کے بعد امین و مامون کی جنگ اور مامون کی تخت نشینی تک کے مفصل حالات، اور اس دور کے سیاسی واقعات، معاصر حکومتوں سے دولت عباسیہ کے تعلقات، صلح وجنگ، اندرونی بغاوتوں، بیرونی فتوحات، برامکہ کے عروج و زوال، بغداد کی علمی و تمدنی حیثیت اور ہارون رشید کے ذاتی اوصاف و خصوصیات کی پوری تفصیل ہے، جس سے عباسی خلافت خصوصاً ہارونی عہد کی تصویر سامنے آجاتی ہے، کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ ہے، اس میں ہارونی عہد کی شوکت وعظمت، خلافت کے رقبہ و وسعت، مقبوضہ ملکوں کی تفصیل، اس عہد کے اہم واقعات

علمی و تمدنی ترقیاں، بغداد کی مرکزیت، دولت عباسیہ کا ملکی و مالی انتظام، ملک کی خوشحالی، فوجی قوت وغیرہ پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے، اور ہارون کے بارہ میں مورخین کے بیانات نقل کیے گئے ہیں، اس تبصرہ سے ہارونی عہد کی عظمت و شان اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے۔

عہد فاطمی میں علم و ادب۔ مؤلفہ جناب عاشق حسین و محمد شاکر صاحبان، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ: ڈی، بی، بک ڈپو ۱۴۶ مسجد بندر روڈ، بمبئی ۳

مصر کی فاطمی حکومت امامت و خلافت کے علاوہ علم و تمدن کے میدان میں بھی خلافت عباسیہ کی حریف تھی، اس کے بھی بڑے کارنامے ہیں، اس کتاب میں علمی کارناموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کے مصنفین اسمٰعیلی ہیں، اس لیے انھوں نے کتاب کے شروع میں اسمٰعیلیوں کے عقائد تحریر کیے ہیں، اور ان کی جانب جو دینی گمراہیاں منسوب کی جاتی ہیں، ان کی تردید کی ہے، اسکے بعد فاطمیوں کے نظام دعوت، ان کے علمی و تبلیغی مرکزوں کا مختصر حال اور فاطمی علم و ادب کے مفہوم کی تشریح و توضیح ہے، پھر صاحب تصنیف فاطمی مبلغین اور ان کی مذہبی و تبلیغی تصانیف کی تفصیل ہے، اس کے بعد قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، لغت، تاریخ و سوانح، عقلی علوم اور ادب و شاعری وغیرہ عام فنون میں ان کی تصانیف کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں فاطمی خلفاء کی بے تعصبی اور ان کے ساتھ دوسرے فرقوں کا تعصب دکھایا گیا ہے، جہانتک فاطمیوں کے علمی خدمات کا تعلق ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، گو اس کا تعلق زیادہ تر مذہبی دعوت و تبلیغ سے تھا، تاہم ان کی خالص علمی خدمات بھی کم نہیں ہیں، مگر ان کے زمانہ میں بھی خاص مصر میں اسمٰعیلیوں کے مقابلہ میں غیر اسمٰعیلی علماء کی علمی خدمات زیادہ ہیں، ممکن ہے اسمٰعیلیوں کے عقائد کے بارہ میں جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ سب صحیح نہ ہوں، لیکن اس زمانہ میں جبکہ ان کی بہت سی اہم کتابیں چھپ گئی ہیں، ان سب سے انکا

نہیں کیا جا سکتا، ابھی حال ہی میں ایک اسمٰعیلی فاضل ڈاکٹر زاہد علی نے اسمٰعیلیوں کے عقائد پر خود انکی مستند کتابوں سے جو کتاب لکھی ہے، وہ اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے، لیکن فاسد عقائد سے برأت جب بھی کیجائے مستحسن و محمود فعل ہے جس کا دوسرے فرقوں کو خیر مقدم کرنا چاہیے۔

ذکر حبیب۔ مرتبہ جناب خالد مینائی، تقطیع اوسط، ضخامت ۷۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ: مکتبۂ حبیب نمبر ۴۹ مین بازار، اچھرہ، لاہور۔

امیر مینائی محض غزل گو شاعر نہیں، بلکہ اچھے نعت گو بھی تھے، بلکہ اس دور میں محسن کاکوروی کے بعد ان ہی کا درجہ تھا، اور ان کی نعتوں کی مقدار اتنی کثیر ہے کہ اس کا ایک مستقل دیوان ہے، مگر جس طرح ان کی شاعری نے انکی مذہبی و علمی حیثیت کو چھپا دیا، اسی طرح انکی غزل سرائی کے مقابلہ میں انکی نعتوں کی شہرت نہ ہو سکی، انھوں نے خیابان آفرینش کے نام سے ایک میلاد نامہ بھی تالیف کیا تھا، مگر اب ان کا نعتیہ دیوان کمیاب ہے، اس لیے ان کے پوتے جناب خالد مینائی نے ذکر حبیب کے نام سے ان کے نعتیہ کلام کا انتخاب مرتب کیا ہے، اس میں انکے نعتیہ کلام پر مفصل تبصرہ ہے، اس کی خصوصیات دکھائی گئی ہیں، اس سلسلہ میں ان کے ذوق تصوف کا بھی ذکر ہے، اور اسکے اسرار و معارف پر انکا ایک خط شاہ عبد العلیم آسی کے نام نقل کیا گیا ہے، اسکے بعد حمد، نعت اور مناجات کی منتخب نظمیں ہیں، پھر خیابان آفرینش کے بعض حصے نقل کیے گئے ہیں، اور آخر میں ان کے دیوان محامد خاتم النبیین سے ردیف وار نعتوں کا انتخاب ہے، یہ انتخاب اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

میخانۂ تغزل۔ مرتبہ پروفیسر عطاء الرحمن صاحب کاکوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۰۷ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ: ایوان اردو، پٹنہ ۴

اس کتاب میں مختلف دور کے دس مشہور غزل گو شعراء، میر، آتش، غالب، مومن، داغ، شاد، حسرت، اقبال، فانی اور اصغر کی دس منتخب غزلیں ہیں جن سے ان کے کلام کے رنگ اور خصوصیات

کا اندازہ ہو سکے، جمع کی گئی ہیں، ہر شاعر کے کلام کے انتخاب سے پہلے اس کا مختصر تعارف اور اسکے کلام کے متعلق ناقدین کی رائیں نقل کی گئی ہیں، کتاب کے آغاز میں تغزل کی حقیقت و اہمیت اور اسکی خصوصیات پر مختصر تبصرہ ہے، فرد اشعار کا انتخاب تو بہت آسان ہے لیکن دس دس منتخب پوری پوری غزلیں مشکل ہی سے کسی شاعر کے کلام میں نکل سکتی ہیں، یہی دشواری مرتب کو بھی پیش آئی ہے، تاہم انھوں نے "نسبتۃً اچھی" غزلوں کا انتخاب کیا ہے، اقبال کا شمار غزل گو شعرا میں نہیں ہے، لیکن اس حیثیت سے انکا انتخاب نامناسب بھی نہیں ہے، کہ وہ ایک نئے طرز تغزل کے بانی تھے، یہ انتخاب مجموعی حیثیت سے دلچسپ ہے،

حکمت قرآن ۔ مترجمہ جناب صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم تقطیع بڑی ضخامت ۸۰ صفحات کاغذ عمدہ خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت تحریر نہیں، پتہ: مجلس ترقی ادب، نرسنگھ داس کارڈن، کلب روڈ، لاہور۔

زمانہ حال کے ایک ترک اہل قلم جنرل محمود مختار مرحوم نے حکمت قرآن کے نام سے اسلام کے قرآنی عقائد و تصورات خصوصاً اسکی دینی، اخلاقی اور معاشی تعلیمات پر فرنچ زبان میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے دنیائے انسانیت کیلئے ایسا صحیح اور صحت مند لائحہ عمل ہے جس کا جواب ابتک دنیا نہ پیش کر سکی، مذکورۂ بالا رسالہ اسی کے مقدمہ کا ترجمہ ہے، مقدمہ اصل کتاب کا محض مختصر تعارف ہوتا ہے، اس لیے اس مقدمہ میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد، عبادات اور اخلاقیات پر اختصار کے ساتھ مگر بڑے دلنشین اور فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، مصنف جدید تعلیم یافتہ اور کمالی دور کے مصنف ہیں، اسلیے ان کے خیالات میں کہیں کہیں تجدد کی جھلک ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، بعض واقعات بھی انھوں نے صحیح نہیں لکھے ہیں، مگر انکا نقطۂ نظر، انداز فکر، اور طریقۂ تعبیر بڑی حد تک صحیح اور نئے مذاق کے لیے خاص طور سے قابل قبول اور دلنشین ہے، اس لیے یہ رسالہ اختصار کے باوجود بہت مفید ہے۔

"م"

جلد ۷۸، ماہ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۶ء جلد ۵

فہرست مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۳۲۲-۳۲۴

مقالات

مسلمانوں کا علم ہندسہ — از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے ایل ایل بی، پی ایچ ڈی رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی صوبہ متحدہ — ۳۲۵-۳۴۳

امام اشعری اور مستشرقین — از جناب مرزا محمد یوسف صاحب استاذ مدرسہ عالیہ رامپور — ۳۴۴-۳۶۱

سہیل مرحوم اور نعت نبوی — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۳۶۲-۳۷۵

شاہ طہماسپ کی ادبی سرگرمیاں — از جناب ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم صاحب لکچرار شعبہ فارسی و اسلامک کلچر اسمٰعیل یوسف کالج، بمبئی — ۳۷۶-۳۸۱

تذکرہ شعرائے رامپور کا ایک فاضل اور گمنام شاعر — از جناب محمد علی خاں صاحب اثر رامپوری — ۳۸۲-۳۸۷

وفیات

وحشت کی رحلت — از جناب مسعود حسن صاحب ایم اے پروفیسر عربی و فارسی سنٹرل کالج کلکتہ، کلکتہ — ۳۸۸-۳۹۲

ادبیات

آہ صاحب شعرالہند مولانا عبدالسلام ندوی — از جناب یحییٰ اعظمی — ۳۹۳-۳۹۴

قطعۂ تاریخ وفات مولانا عبدالسلام ندوی — از جناب شاہ ولی الرحمن صاحب ولی کاکوری — ۳۹۴-۳۹۵

قطعۂ تاریخ ارتحال مولانا عبدالسلام ندوی — از جناب عطا کاکوی پروفیسر پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ — ۳۹۵

قطعات تاریخ — از جناب قاضی معراج صاحب دھولپوری — ۳۹۵-۳۹۶

تاریخی ادب — " — ۳۹۶

مطبوعات جدیدہ — م — ۳۹۷-۴۰۰